A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

158
سیریز

ملک کا دماغ

محمود' فاروق' فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

اشتیاق احمد

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ـــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ـــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ـــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ـــ
- آپ کے بڑے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں کہہ رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز یا دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں۔ پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

خاص نمبر کے بعد آپ کو ٹک کا دماغ بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو گا۔ یوں دماغ ہلکا پھلکا ہونا بھی چاہیے۔ بھاری اور بوجھل دماغ ملک اور قوم کے کام نہیں آ سکتے۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے، اپنے دماغوں کو ہلکا پھلکا رکھیے اور ملک دشمن عناصر۔ سازشی لوگوں۔ منافرت پھیلا کر اپنا کام نکالنے والوں کی زد سے بچیں۔ اللہ آپ کے دماغوں کو محفوظ رکھے۔ تاکہ آپ اس ملک کے کام آ سکیں۔

بات دماغ کی ہو رہی تھی۔ لیکن میں آپ کو دماغ لڑانے کی دعوت نہیں دوں گا۔

حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیں۔ گرم دماغ لوگ خطا کھا جایا کرتے

ہیں ۔ اب شاید آپ یہ سوچ رہے ہوں گے
کہ اس ناول میں کسی گرم دماغ آدمی کی
کہانی ہے ۔ جی نہیں ۔ ایسی بھی کوئی بات
نہیں ۔ تو پھر بات کیسی ہے ۔ یہ اگر بتا دیا
تو آپ ناول نہیں پڑھیں گے ۔ اور یہ بات
مجھے ذرا پسند نہیں ۔ اس لیے اب آپ ناول
بھی شروع کر لیں ۔ ٹھنڈے اور گرم کے چکر
میں نہ پڑیں ۔

کپڑے کے نیچے

ہال میں موت کا سناٹا طاری تھا ۔ سب لوگوں کے
چہروں پر ایک سوال تھا اور وہ سوال یہ تھا کہ ہمیں یہاں
کیوں بلایا گیا ہے ، لیکن کسی میں یہ سوال کرنے کی
جرأت نہیں تھی ، کیوں کہ آئی جی صاحب کے چہرے پر
ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا ۔ ان کے سامنے
لمبی میز پر کوئی چیز رکھی تھی ، اس پر کپڑا ڈال دیا گیا
تھا ۔ اس لیے وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ کپڑے
کے نیچے کیا چیز ہے ۔ تھوڑی دیر پہلے ہی انہیں فون
ملا تھا ۔ اور وہ گھر سے نکل کر یہاں آ گئے تھے ۔ یہاں
اس وقت محکمے کے تمام ذمے دار آفیسر موجود تھے ۔ آخر
آئی جی صاحب نے سر اوپر اٹھایا اور مسکرا دیے ۔

" اللہ کا شکر ہے ۔ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر

آئی۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"لیکن یہ مسکراہٹ آپ سب سے کچھ کہہ رہی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" ڈی آئی جی بولے۔

"لیکن سر یہ کیا کہہ رہی ہے۔" ایک آفیسر نے باادب ہو کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم مسکراہٹ کی زبان نہیں سمجھتے۔" فاروق کی آواز ابھری۔

سب اس کی طرف گھوم گئے۔ کچھ کے منہ بن گئے، کچھ مسکرا دیے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے چہروں پر تو گہری مسکراہٹ تیر گئی۔ انھیں بھی بلایا گیا تھا۔

"سب سے زیادہ حیرت مجھے ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کس بات پر پروفیسر صاحب؟" آئی جی بولے۔

"دفتر کے تمام ذمے دار آفیسرز کی میٹنگ میں میرا یہاں کیا کام؟" انھوں نے کہا۔

"تب تو یہ حیرت مجھے بھی ہونی چاہیے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں! آپ دونوں ٹھیک کہتے ہیں۔ اور آپ حیران ہو سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"ابھی ابھی تو آپ حد درجے فکر مند نظر آ رہے تھے، لیکن اب قدرے بے فکر ہو گئے ہیں۔ کیا اس کی بھی کوئی وجہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں! میں اب بھی اتنا ہی فکر مند ہوں، لیکن میں نے ماحول کو قدرے خوش گوار بنانے کے لیے اپنے چہرے پر مسکراہٹ کو دعوت دی تھی۔"

"مسکراہٹ کو دعوت۔" فاروق بڑبڑایا۔ فرزانہ نے جلدی سے اسے گھورا اور گھبرا کر بولی:

"آپ نے بہت اچھا کیا انکل۔ کہ مسکراہٹ کو دعوت دے دی۔"

محمود مسکرا دیا۔ فرزانہ کی گھبراہٹ کی وجہ اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں فاروق مسکراہٹ کو دعوت کو کسی ناول کا نام قرار نہ دے دے۔

"اگر انکل نے بہت اچھا کیا تو پھر تم کیوں پریشان ہو؟" فاروق طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اس لیے کہ پریشان تو اس وقت سبھی ہیں۔"

"بھئی تم تینوں اس وقت اپنے گھر کے صحن میں نہیں بیٹھے ہوئے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں روک دیا۔

"کوئی بات نہیں بھئی۔ انھیں چہکنے دو۔ اس ماحول میں

ان کا دم غنیمت ہے۔ ان کے جملوں نے خوف کو اور بھی
کم کر دیا ہے۔"

"آخر آپ کیوں خوف زدہ ہیں سر۔ ایک مسلمان کو تو
اللہ کے سوا کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

"ہاں، لیکن نہ جانے کیا بات ہے۔ میں اس کے
باوجود خوف محسوس کر رہا ہوں۔"

"جب تک ہمیں معلوم نہیں ہو جاتا کہ آپ کس لیے خوف زدہ
ہیں، اس وقت تک ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں۔"

"اور میں مجبور ہوں۔ ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ لوگوں
کو ابھی پورے پانچ منٹ اور انتظار کرنا ہوگا۔"

ان کی نظریں گھڑیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ شام کے سات
بجنے میں پورے پانچ منٹ باقی تھے۔ یہ دیکھتے ہی انسپکٹر
جمشید چونک اٹھے:

"اوہ! میں سمجھ گیا۔"

"جی۔ آپ کیا سمجھ گئے؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کہ ہمیں کس کا انتظار ہے۔"

"تو پھر بتائیے نا۔" فاروق بے چین ہو گیا۔

"ہمیں صدرِ مملکت کا انتظار ہے۔ کیوں سر۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اوہ۔ لیکن ابا جان۔ آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا
لیا۔ بتایا صرف اتنا گیا تھا کہ ابھی پورے پانچ منٹ کا
انتظار باقی ہے۔"

"لفظ پورے نے مجھے یہ بات جاننے میں مدد دی۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمارے ملک میں صدرِ مملکت وقت کے انتہائی پابند
ہیں۔ ایک سیکنڈ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے۔ اگر
کسی اور کا انتظار ہوتا تو پورے کا لفظ نہیں بولا جا سکتا تھا،
کیوں سر۔ میں ٹھیک کر رہا ہوں نا؟"

"ہاں! بالکل۔ تم واقعی ایک بہترین سراغ رساں ہو۔"
انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ابا جان۔ آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کپڑے کے
نیچے کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"فرزانہ تم بہت چالاک ہو۔"

"جی کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"دراصل تم یہ جاننے کے لیے بہت بے چین ہو کر اس
کپڑے کے نیچے کیا ہے۔ اس لیے تم نے یہ جملہ کہا۔ تاکہ

میں فوراً کر دوں کہ کیوں نہیں بتا سکتا۔ بالکل بتا سکتا ہوں۔"

"تت۔ تو کیا آپ واقعی بتا سکتے ہیں ابا جان۔" فرزانہ نے معصومانہ انداز میں کہا اور وہ مسکرا دیے۔ کچھ ایسے بھی تھے۔ جو ان سے جلتے تھے۔ وہ منہ بنا کر رہ گئے۔۔

"بتا تو سکتا ہوں۔ لیکن بتاؤں گا نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بتا ہی نہیں سکتے۔ تو بتائیں گے کیسے۔" انسپکٹر فضلی نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بولے:

"میں نے آپ کی بات کا بُرا نہیں مانا انسپکٹر صاحب۔"

"گویا میرا خیال ٹھیک ہے۔" فضلی نے کہا۔

"کون سا خیال؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کہ آپ نہیں بتا سکتے۔" وہ بولا۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں اس پر بحث نہیں کرنی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"معلوم ہو گیا۔ کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ کپڑے کے نیچے کیا ہے۔"

"چلیے یوں ہی سہی۔" انھوں نے کندھے اُچکائے۔

"کیوں جمشید۔ یوں ہی کیوں۔ اگر تم جانتے ہو تو بتا کیوں نہیں دیتے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"اس لیے کہ یہ بے ادبی ہے۔ ایک چیز کو سر نے ڈھانپ کر رکھا ہے اور میں اس کے بارے میں بتاؤں۔"

"بہت خوب جمشید۔ لیکن اب معاملہ کچھ اور ہو گیا ہے۔ اس لیے میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔ اگر تم جان گئے ہو کہ کپڑے کے نیچے کیا ہے تو پھر بتا ہی دو۔"

"جی بہت بہتر۔ آپ کے حکم کے بعد میں کیسے نہیں بتاؤں گا۔ اس کپڑے کے نیچے اس۔۔۔"

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔ پھر عمارت کا نگران اندر داخل ہوا اور اس نے ہانپ کر کہا:

"س۔ سر۔ صدرِ مملکت تشریف لا رہے ہیں۔" اس کے لہجے سے گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"ہاں گل خان۔ ہم بھی انھی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"جی سر۔ لیکن آپ نے مجھے تو بتایا ہی نہیں۔"

"ان لوگوں کو بھی میں نے نہیں بتایا تھا۔ ان کی ہدایت ہے کہ ان کے استقبال کے لیے ہم لوگ ہرگز باہر نہ نکلیں۔ اس لیے ہم یہیں رہیں گے۔ بس تم جا کر انھیں

یہاں لے آنا۔"

"اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے سر۔ کہ وہ بالکل اکیلے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ یہاں تک کہ ڈرائیور بھی ساتھ نہیں لائے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"گل خان۔ جلدی کرو۔ وہ کار سے اتر چکے ہوں گے اور یہ کس قدر بری بات ہو گی کہ انھیں تم بھی دروازے پر نہ ملو۔" آئی جی صاحب گھبرا کر بولے۔

"یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔" انھوں نے صدرِ مملکت کی آواز سنی۔

"ارے!" ان سب کے منہ سے نکلا۔ صدر صاحب اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بجھی بجھی مسکراہٹ تھی۔

"گل خان۔ تم دروازے پر جاؤ۔ اور دیکھو۔ اب کوئی اندر نہ آنے پائے۔"

"فکر نہ کریں سر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

صدر صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولے:

"میں پروفیسر داؤد، خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ

کا خاص طور پر شکر گزار ہوں، کیوں کہ یہ محکمے کے ملازم نہیں ہیں، لیکن پھر بھی انھیں تکلیف دی گئی ہے۔"

"تکلیف کیسی سر۔ ہماری تو زندگیاں اپنی قوم، ملک اور دین کے لیے وقف ہیں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔" وہ بولے۔ ایسے میں ان کی نظر فرزانہ کے گلے پر پڑی۔ وہ بول اٹھے:

"بھئی یہ لاکٹ کیسا پہن آئی ہے ہماری بیٹی۔ آج تم میرے ہاں کھانا کھاؤ۔ کچھ بہت ہی پیارے لاکٹ تحفے میں آئے ہیں۔ وہ تمھارے گلے میں بہت پیارے لگیں گے۔"

"ج۔ جی۔ بہتر!" وہ ہکلائی۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان نے بھی فرزانہ کے لاکٹ کو دیکھا اور پھر پروفیسر داؤد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا:

"اوہ!"

"آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔" خان رحمان بولے۔

"وہ۔ وہ۔ پپ۔ پر۔" پروفیسر داؤد گڑبڑا گئے۔

"تو آپ کو پپ پر حیرت ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"نن۔ نہیں۔ خان رحمان۔ لیکن، ہم یہاں اپنی باتیں کرنے نہیں آئے۔"

"کوئی بات نہیں۔ یہاں ایسی کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔"

"سر — ہم لوگ بے تاب ہیں۔" ڈی آئی جی بول اٹھے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ سنیں۔ آپ جانتے ہیں۔ پڑوسی دشمن ملک سے ہماری ایک عرصے سے جنگ جاری ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ رک گئے۔ سب نے سر ہلا دیے۔

"اور اس جنگ میں ایک سال سے ہمارا پلہ بھاری چلا آ رہا ہے۔"

"جی ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ہمیں انشارجہ سے فوجی امداد مل رہی ہے۔ اور ہمارے دشمن ملک کو وشناس سے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے سر۔"

"دونوں ملک ایک دوسرے سے ہار ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ نہ جنگ بند کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس لیے جنگ طول کھینچ گئی ہے۔" وہ بولے۔

"یس سر۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"لیکن۔" انھوں نے کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔ یہ ان کا ایک خاص انداز تھا۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ لیکن کے بعد وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں۔ آخر انھوں نے پھر کہا:

"لیکن۔ اب ہمارا پلہ ہلکا پڑ رہا ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" سب چونک اٹھے۔

"اب۔ ہم جنگ ہار رہے ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ ہمیں ہر محاذ پر پیچھے ہٹنا پڑ رہا ہے۔ ان کی فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ جنگی سامان ان کے پاس اس کثرت سے جمع ہو گیا ہے کہ ہمارے فوجی حیران اور پریشان ہیں۔ اور ادھر انشارجہ ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ رہا ہے۔"

"جج۔ کیا مطلب؟" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! انشارجہ نے امداد بند کر دی ہے۔ اسلحے کا کوٹہ پہلے سے بہت کم ہو گیا ہے۔ ہم بار بار ان سے رابطہ قائم کر رہے ہیں، لیکن وہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیتے، بس ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔"

"اوہ!" کمرے میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

"میں نے ماہرینِ جنگ کی ایک میٹنگ بلائی تھی۔ اور اس مسئلے پر غور کرنے کی انھیں دعوت دی تھی۔ انھوں نے گھنٹوں غور کیا اور پھر ایک ہی نتیجے پر پہنچے۔" صدر صاحب نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا سر؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس پر کہ انشارجہ پر ہمارے دشمن کا کوئی دباؤ ہے۔"

"لیکن پہلے تو کوئی دباؤ نہیں تھا۔" ڈی آئی جی بولے۔

"ہاں! جب تک انشارجہ انھیں اسلحہ نہیں دے رہا تھا، اس وقت تک کوئی دباؤ نہیں تھا۔ گویا دباؤ بعد میں شروع ہوا ہے۔"

"لیکن سر۔ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ انشارجہ ہمارے دشمن کو اسلحہ دے رہا ہے۔"

"ہم نے انشارجہ سے اس پہلو پر بات کی تھی۔ انھوں نے بالکل انکار کر دیا کہ۔ یعنی یہ کہا تھا کہ وہ ہمارے دشمن کو اسلحہ نہیں دے رہا۔ لیکن پھر ہم نے ثبوت حاصل کر لیا اور جب ہم نے وہ ثبوت انشارجہ کی حکومت کے سامنے رکھا تو اس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ وہ نہیں جانتے، یہ کیسے ہو گیا۔"

"اور ثبوت۔ ثبوت کیا ہے؟" ایک اور آفیسر نے کہا۔

"ثبوت یہ رہا۔ اس کپڑے کے نیچے۔" انھوں نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید کا خیال ٹھیک ہی نکلا۔" ڈی آئی جی مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" صدر صاحب چونکے۔

"انھوں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ اس کپڑے کے نیچے۔"

"ایک منٹ سر۔" انسپکٹر فضلی بول اٹھا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب؟" ڈی آئی جی حیران ہو کر بولے۔

"آپ ابھی یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ٹھیک اندازہ لگا لیا تھا۔ جب کہ یہ جملہ پورا نہیں کر پائے تھے۔"

"لیکن ان کے منہ سے نکلنے والا نامکمل لفظ ایک مکمل ثبوت ہے۔ یاد کیجیے۔ انھوں نے کہا تھا۔ اس کپڑے کے نیچے اس۔ اب آپ اس سے کیا مراد لیں گے۔ صاف ظاہر ہے۔ یہ اسلحہ کہنا چاہتے تھے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور ساتھ ہی آئی جی صاحب نے کپڑا اٹھا دیا۔

کپڑے کے نیچے انشارجہ کا جدید اسلحہ موجود تھا۔

"یہ اسلحہ ہمارے فوجیوں نے دشمن کے ایک مورچے سے حاصل کیا ہے۔ اس مورچے پر وہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ورنہ ہر مورچے پر انھیں پیچھے ہٹنا پڑ رہا ہے، اور ہم بہت پریشان ہیں۔" صدر صاحب بولے۔

"ساری بات سمجھ میں آ گئی سر۔"

"گویا ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کیا دباؤ ہے۔ جو ہمارے دشمن نے اتنے بڑے ملک پر ڈال رکھا ہے۔" آئی جی صاحب

بولے۔

"ہاں! ہم اسی لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں غور کرنا ہے کہ ہم کیا کریں۔"

"لیکن غور کرنے سے پہلے ہمیں ایک غور اور کرنا پڑے گا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہ کہ ہم میں کوئی غدار تو موجود نہیں۔"

"اس ہال میں بھلا غدار کا کیا کام؟" آئی جی صاحب بولے۔

"کیوں انکل۔ غدار تو ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ اور غدار کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ پہنچنے کی کوشش کرے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو فرزانہ؟" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ کہ ہم میں ایک عدد غدار موجود ہے۔ پہلے اس کو قابو میں کرنا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"نہیں!" وہ ایک ساتھ چلائے۔ صدر صاحب کا بھی رنگ اُڑ گیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ڈی آئی جی بولے۔

"ہو سکتا ہے نہیں۔ انکل۔ ہو چکا ہے۔"

"تو پھر ظاہر کر دو فرزانہ۔ یہ تو بہت خوفناک بات ہے

کہ ہم میں ایک غدار بھی موجود ہے۔"

"سب لوگ ہاتھ اوپر اُٹھا دیں۔"

ہال میں ایک سرد آواز گونجی۔ انھوں نے گھبرا کر آواز کی طرف دیکھا۔ اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، کیوں کہ ان کے محکمے کا ہیڈ سٹینو گرافر ان پر پستول تانے کھڑا تھا۔

مشینی انداز میں اُن کے ہاتھ اوپر اُٹھتے چلے گئے۔

پٹ گاف

"میں آپ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا، اور اگر مجھے پہچان نہ لیا جاتا تو میں چُپ چاپ یہاں سے چلا جاتا، لیکن شیطان کی اس خالہ نے کام خراب کر دیا۔ آپ لوگ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ بس میں ہال کا دروازہ بند کر کے نکل جاؤں گا۔ نہ آپ لوگوں کو کوئی تکلیف ہو گی۔ نہ مجھے۔ معاملہ برابر رہ جائے گا۔"

"ہوں۔ لیکن۔ کیا تم خالد افضل نہیں ہو؟" آئی جی صاحب بولے۔

"نہیں۔ وہ بے چارہ تو اپنے گھر میں رسیوں سے بندھا پڑا ہے۔ آپ کسی کو بھیج کر کھلوا لیجیے گا۔"

"شکریہ۔ اور تم نے اس کی جگہ کس طرح لی؟" محمود بول اُٹھا۔

"میں اس کے پیچھے کافی دنوں سے سائے کی طرح لگا

ہوا تھا، کیوں کہ اس بارے میں ہمارے مُلک کو بھی فکر تھی کہ اگر انشارجہ کا اسلحہ پکڑا گیا تو یہاں ضرور شور مچے گا۔ لہٰذا مجھے پہلے سے ادھر روانہ کر دیا گیا تھا اور میں نے ایک دولت مند سوداگر کی حیثیت سے اس سے دوستی گانٹھ لی تھی۔ دوستی کا گانٹھنا اس طرح آسان ہوا کہ میں نے اسے چند نہایت قیمتی غیر مُلکی تحفے پیش کیے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اور بھی دیتا رہتا تھا، اس بہانے میں اس کے گھر آتا جاتا رہتا۔ اور فون پر بھی اس سے بات چیت کرتا رہتا۔ آج جب میں نے اسے فون کیا اور بتایا کہ میں اس کے گھر آ رہا ہوں تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ آج ایک انتہائی خفیہ میٹنگ میں جانا ہے۔ اس لیے میں نہ آؤں۔ میں نے یہ سُنا تو فوراً وہاں پہنچ گیا۔ اور معافی مانگنے کے بعد پوچھا کہ میٹنگ کیسی ہے اور کہاں ہے، وہ وضاحت تو نہ کر سکا۔ لیکن میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو۔ جس میٹنگ کا مجھے انتظار تھا۔ یہ وہی ہے۔ اور اس میں مجھے شرکت کرنا ہو گی؛ چنانچہ میں نے ایک دُوا سے اسے بے ہوش کر دیا اور اس کا میک اپ کر کے ادھر چلا آیا۔"

"لیکن اس کے گھر والے۔"

"گھر والوں کو کچھ پتا نہیں چل سکا۔ خالد افضل جب کبھی ایسی میٹنگ میں آتا ہے۔ اپنے کمرے سے بیرونی دروازے کی

طرف سے باہر نکل آتا ہے۔ اور دروازے پر تالا لگا دیتا
ہے۔ تاکہ جب وہ رات گئے واپس آئے تو اسے گھر
والوں کو نہ جگانا پڑے۔ گویا اب وہ خود اپنے کمرے میں
بند پڑا ہے۔ اور باہر تالا لگا ہوا ہے۔ گھر والے اس خیال
میں ہیں کہ وہ میٹنگ میں گیا ہوا ہے، لیکن یہ وہ وہیں۔"

"ہوں!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور اب آپ لوگ تکلیف کریں۔ اُٹھ کر دیوار کی طرف
منہ کرکے کھڑے ہو جائیں۔ جس کسی نے منہ اِدھر کرنے
یا ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی، میں اسے گولی مار دوں
گا۔ واضح رہے کہ پستول بالکل بے آواز ہے۔"

ہال میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر ان کے اُٹھنے
سے کرسیاں گھسٹنے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ وہ کرسیوں کی قطاروں
سے نکل نکل کر اس کے قریب سے ہو کر دیوار کی طرف
جانے لگے۔ مجرم پوری طرح ہوشیار تھا۔ ایسے میں فرزانہ
اس کے پاس سے گزری۔ اور پھر ایک زور دار دھماکا ہوا،
دشمن اُچھل کر گرا۔ انسپکٹر جمشید کے لیے اتنا موقع ہی کافی
تھا۔ انھوں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور پستول چھینتے
ہوئے الگ ہو گئے:

"ہاتھ اوپر اُٹھا دو مسٹر۔" وہ بولے۔

مجرم کے ہاتھ اُٹھتے چلے گئے۔ اس کے چہرے پر اب
ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسے میں اس کے منہ سے نکلا:

"یہ۔ یہ دھماکا کیسا تھا۔ بالکل میرے پیروں کے نیچے ہوا
تھا۔" اس نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"جادو کا دھماکا تھا۔ ہم دراصل تھوڑے سے جادوگر
بھی ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

انسپکٹر جمشید نے اُٹھ کر فون پر کچھ ہدایات دیں۔ جلد
ہی چند سادہ لباس والے آ پہنچے۔

"اسے لے جاؤ جمی۔ زبردست حفاظت میں رکھنا ہے،
میں یہاں سے فارغ ہو کر اس سے بات کروں گا۔"

"او کے سر۔" جواب میں کہا گیا اور وہ مجرم کو لے کر
چلے گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے خالد افضل کے گھر فون کرکے
ان کے بارے میں اطلاع دی اور ریسیور رکھ کر ان کی
طرف مُڑے:

"میرا خیال ہے۔ اب ہم اپنی میٹنگ جاری رکھ سکتے
ہیں۔"

"دیکھو جمشید۔ مجھے تو خوف محسوس ہو رہا ہے۔ کہیں ہم
میں کوئی اور بھی غلط آدمی نہ ہو۔" آئی جی صاحب بولے۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ تب پھر مجھے اجازت

دی جائے کہ میں ہر ایک کو چیک کروں۔"

"ٹھیک ہے جمشید۔ اجازت ہے۔" صدر صاحب بولے۔

انسپکٹر جمشید اُٹھے اور سب سے پہلے صدر صاحب کے نزدیک جاکر ان کے چہرے پر جھک گئے۔

"ارے ارے۔ بھئی۔ یہ کیا۔ کیا مجھے بھی چیک کروگے۔"

"یس سر۔ یہ سُراغ رسانی کا سب سے بڑا اُصول ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" وہ بولے۔

"محمود، فاروق، فرزانہ۔ تم بھی چیک کرو۔ تاکہ ہم جلدی فارغ ہو جائیں۔"

انھوں نے جلدی جلدی کام شروع کر دیا اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی اور غلط آدمی ہال میں موجود نہیں۔ تب کہیں جاکر انھیں اطمینان محسوس ہوا۔

"اب۔ ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا۔" صدر صاحب بولے۔

"یہ آپ فرمائیں۔ ہم ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

"تو پھر۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ہم یہ سُراغ لگا لیں کہ انشاریہ ہمارے دشمن ملک کو اسلحہ کیوں دے رہا ہے۔ اسے کیا مجبوری ہے۔ اور وہ کیوں دباؤ میں آیا ہوا ہے۔" صدر صاحب بولے

"یہ کام میں انسپکٹر جمشید کو سونپتا ہوں۔ اور ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں۔ ایک ہفتے تک انھیں دفتر سے بھی چھٹی ہوگی۔" آئی جی صاحب بولے۔

"شکریہ سر۔ ہم آپ کی امیدوں پر پورے اُتریں گے۔"

"تو پھر اب میٹنگ برخاست۔" صدر صاحب یہ کہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہاں سے فارغ ہوکر وہ خفیہ حوالات میں آئے۔ یہاں خالد افضل کی جگہ لینے والا شخص موجود تھا۔ چار سادہ لباس والے اس کے ساتھ کوٹھری میں بھی بند تھے۔

"بہت خوب۔ یہ اچھا طریقہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہوکر کہا۔

"شکریہ جناب۔" ایک نے کہا۔

"ہیلو مسٹر۔ تمھارا کیا نام ہے؟"

"چار سو بیس۔" اس نے کہا۔

"یہ نام نہیں۔ نمبر ہے۔"

"ہمارے ادارے میں نمبر الاٹ کیے جاتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"خیر۔ لیکن یہ کیا نمبر ہوا۔ چار سو بیس۔"

"کیوں۔ اس نمبر میں کیا بات ہے۔"

"خیر - ہمیں اس سے کیا - اب تم یہ بتادو کہ انشارجہ تم لوگوں کو اسلحہ کیوں دے رہا ہے؟"

"میں نہیں جانتا - ایسی باتیں عام لوگ نہیں جانتے - یہ تو حکومتی راز ہیں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اس کے لہجے پر غور کرتے ہی یقین کر لیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا - آخر وہ بولے:

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو - خیر - تم یہ تو بتا ہی سکتے ہو کہ تمہارا چیف کون ہے؟"

"کیوں - یہ جان کر کیا کریں گے؟"

"تم نے اس سے کیا - بس تم چیف کا نام بتادو۔"

"اور اگر میں نہ بتاؤں؟"

"اس صورت میں تمہیں کمرۂ امتحان میں جانا ہوگا اور پھر وہاں تمہارے ساتھ جو کچھ بیتے گی - اس کے تم خود ہی ذمے دار ہوگے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

وہ کانپ گیا اور چند لمحے تک غور کرنے کے بعد اس نے کہا:

"اس - اس کا نام پٹ گاف ہے۔"

"پٹ گاف!" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں کیوں - کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں - بس ذرا ہماری طرف ایسے نام نہیں ہوتے۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"آرام۔" محمود نے فوراً کہا۔

"بہت بہت شکریہ - مجھے آرام کی ضرورت بھی ہے" نے کہا اور فرش پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"آؤ بھئی چلیں - اب ذرا پٹ گاف سے ملاقات کر لیں۔"

اچانک اس کے منہ سے قہقہہ اُبل پڑا۔

"کیوں - کیا ہوا - کیوں ہنس رہے ہو؟"

"ملاقات کریں تو اس طرح کہہ رہے ہیں - جیسے مسٹر پٹ گاف تمہارے ملک میں بیٹھے ہوں۔"

"میرے ملک میں نہیں ہوگا - تو اپنے ملک میں تو ہوگا ہی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہی بات ہے - لیکن وہاں ان سے ملنا آسان نہیں۔" وہ بولا۔

"ہم بھی آسان کاموں کے عادی نہیں۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"تب تو پھر جاؤ - موت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

اس نے ہنس کر کہا۔

"یہ بات بالکل غلط ہے۔ موت کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ اسے کیا ضرورت ہے، انتظار کرنے کی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"آؤ چلیں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

واپسی پر انسپکٹر جمشید نے خان رحمان سے کہا:

"تمھارا کیا پروگرام ہے خان رحمان؟"

"کس بارے میں؟"

"اس مہم کی طرف اشارہ ہے۔" وہ بولے۔

"میں تمھارے ساتھ ہوں۔"

"پروفیسر صاحب۔ آپ کا پروگرام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پروفیسر داؤد سے پوچھا۔

"جمشید۔ میں نہیں جا سکوں گا۔ بہت مصروف ہوں۔ آج بھی پتا نہیں کس طرح آیا ہوں۔" پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

"جی بہتر۔ کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن جمشید۔ جانا کہاں ہے؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی پٹ گاف، ہمیں اپنے ملک میں تو ملے گا نہیں۔ ظاہر ہے، ہمیں دشمن ملک میں جانا پڑے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیوں۔ گھبرا گئے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ نہیں تو۔ گھبرائیں ہمارے دشمن۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بلکہ۔ گھبرانے والے اے آسمان نہیں ہم۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم دشمن ملک میں داخل کس طرح ہو سکیں گے۔ ان دنوں میں تو بہت سختی ہے۔ ہر طرف پہرے ہیں۔"

"کسی نہ کسی طرح داخل ہو ہی جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔" وہ مسکرا دیے، پھر چونک کر انھوں نے کہا:

"تم لوگ گھر پہنچ کر تیاری کرو۔ میں رات میں کسی وقت گھر آؤں گا اور ہم اسی وقت دشمن ملک روانہ ہو جائیں گے۔"

"جی بہتر۔ لیکن انکل۔"

"یہ بھی اپنی تیاری کرکے ہمارے ہاں آجائیں گے۔ اور ہاں۔ ہم انھی کی گاڑی پر چلیں گے، لیکن نمبر پلیٹ بدل کر۔" وہ بولے۔

اور وہ سر ہلا کر رہ گئے۔ رات کے دو بجے دروازے
کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اُٹھے، کیوں کہ انداز انسپکٹر جمشید
کا نہیں تھا۔

"یہ کون صاحب آگئے۔" محمود بڑبڑایا۔

"محتاط انداز میں دروازہ کھول دو جا کر۔ دیکھا جائے
گا۔" خان رحمان بولے۔

وہ اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ پھر محمود دروازے پر گیا اور
کھولتا ہوا دیوار سے جا لگا۔ فوراً ہی کوئی اندر داخل ہوا۔
محمود نے یک دم اس کی کمر پر انگلی رکھ دی اور بولا:

"خبردار۔ ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔"

"رہنے دو۔ تم خالی ہاتھ ہو۔" یہ کہتے ہی آنے والا
بلا کی تیزی سے مُڑا اور محمود کو بازو سے پکڑ لیا۔ محمود
بوکھلا گیا، اسے یُوں لگا جیسے کسی فولادی ہاتھ نے اسے
شکنجے میں لے لیا ہو۔

ساتھ ہی اس نے محمود کو ایک جھٹکا دیا اور وہ لڑکھڑاتا
ہوا صحن تک چلا گیا۔ خان رحمان نے فوراً ہی سامنے آتے
ہوئے غرّا کر کہا:

"خبردار ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"
ان کے ہاتھ میں واقعی پستول تھا۔ آنے والے کے

ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔ اس دوران فرزانہ اور فارُوق بھی نکل کر
سامنے آگئے۔ انھوں نے دیکھا۔ اس کے چہرے پر نقاب
تھا۔

"کون ہو تم؟" خان رحمان بولے۔

"دوست۔" اس نے کہا۔

"دوست نقاب اوڑھ کر نہیں آیا کرتے۔"

"تو کیا ہوا۔ میں نقاب اتار دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ویسے تم مجھے بلا وجہ ڈرا رہے ہو۔ تمھارا پستول بھی
لوڈ نہیں ہے۔"

"یہ۔ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔" خان رحمان ہکلائے۔

"اپنے تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ اور اب تم اپنی
جگہ سے حرکت نہ کرنا، کیوں کہ خود تم میری زد میں ہو۔
اگر یقین نہیں آیا تو میرے ہاتھ کی طرف دیکھو۔"

انھوں نے اس کے اُٹھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا
اور دھک سے رہ گئے، کیوں کہ اس کے ہاتھ میں ایک بالکل
ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔ پہلے انھوں نے اس پستول
کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ شاید اس نے آستین میں چھپایا ہوا
تھا۔ اب اس کی نال کا رُخ ان کی طرف تھا۔

ان کے رنگ اُڑ گئے۔ محمود تو پہلے ہی گھبرایا ہوا ت
کیوں کر اس نے جس طرح اسے جھٹکا دیا تھا۔ اس سے ظا
ہو گیا تھا کہ وُہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔

"اور اب مَیں نقاب اُتار رہا ہوں۔ خبردار حرکت
کرنا۔ میرا نشانہ بہت پختہ ہے۔ اگر یقین نہیں تو اس ل
سے پُوچھ لو۔ جس نے دروازہ کھولا تھا۔" اس نے عجیب
لہجے میں کہا۔

"کیوں۔ اس کو کیا معلوم۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"پوچھ کر دیکھ لو۔"

"کیوں محمود۔ تمہیں ان صاحب کے نشانے کے بار
میں بھلا کیوں کر معلوم ہے۔"

"م۔ میرا خیال ہے۔ یہ بات غلط نہیں ہے۔" محمود بڑ

"کیا مطلب۔ آخر تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو۔" خان رحما
چونکے۔

"پپ۔ پتا نہیں۔"

"میں بتاتا ہوں۔ بلکہ بتانا کیا ہے۔ دکھاتا ہوں۔" اس ن
کہا اور نقاب اُلٹ دیا۔

دُوسرا لمحہ ان کے لیے بہت سنسنی خیز تھا۔ ان کے سا
وُہی شخص کھڑا تھا۔ جس نے محکمۂ سراغ رسانی کی عمارت م

خالد افضل کی جگہ لی تھی۔ وُہ دھک سے رہ گئے۔

"تت۔ تم۔ تم۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئے۔ تم تو حوالات
میں تھے۔"

"ہاں! مَیں حوالات میں تھا، لیکن تمہارے مُلک کی
حوالاتیں مجھے اپنے اندر روک کر نہیں رکھ سکتیں۔" وُہ ہنسا،
اس کے ہاتھ اب نیچے آ گئے تھے۔

"ارے۔ حیرت ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"تمہیں کس بات پر حیرت ہونے لگی۔ وُہ بھی بیٹھے بٹھائے۔"
فارُوق نے بھنّا کر کہا۔

"اور وُہ بھی ان حالات میں۔" محمود نے کہا۔

"اس بات پر حیرت ہے کہ ان صاحب نے۔ ابھی تک
اباجان کے بارے میں نہیں پُوچھا۔" فرزانہ بولی۔

"تم نے پوچھنے کی مہلت ہی کہاں دی۔ بات پر بات تو
کرتے چلے جا رہے ہو۔" اس نے منہ بنایا۔

"نہیں۔ اب بات نہیں بن سکتی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بات نہیں بن سکتی۔ کیا مطلب فرزانہ۔ تم کیا کہنا چاہتی
ہو۔"

"یہ کہ مَیں نے انھیں پہچان لیا ہے۔"

"پہچان لیا ہے۔ لیکن ہم تو پہلے ہی پہچان چکے ہیں۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے۔" محمود بولا۔

"ارے بھئی یہ ابّا جان ہیں۔" فرزانہ چہک کر بولی۔

"کیا!"

وہ ایک ساتھ بولے۔ باورچی خانے میں سے بھی آواز گونجی تھی۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

چار سو بیس

"ہائیں۔ امّی جان آپ بھی دیکھ رہی تھیں۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"صرف دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ بلکہ ان سے مقابلے کی تیاری بھی کر چکی تھی۔ کھولتا ہوا پانی بالکل تیار تھا، شکر ہے۔ جلد ہی یہ بات معلوم ہو گئی۔" انھوں نے کہا۔

"ارے باپ رے۔ کھولتا ہوا پانی۔" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے۔

"لیکن جمشید۔ یہ میک اپ۔" خان رحمان اُلجھن کے عالم میں بولے۔

"صرف میک اپ ہی نہیں۔ اب نمبر چار سو بیس کے تمام کاغذات بھی میرے قبضے میں ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ آپ اس میک اپ میں دشمن ملک میں داخل ہوں گے۔"

"ہاں! میں نے یہی سوچا ہے۔"

"ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب نہیں ہو سکتی۔ اب ہماری کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔"

انھوں نے جلدی جلدی کچھ کھایا پیا اور پھر خان رحمان کی کار میں بیٹھتے ہوئے بیگم جمشید کو اللہ حافظ کہا۔ وہ ہاتھ ہلاتی رہ گئیں اور پھر جوں ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ہم کس راستے سے جائیں گے ابا جان؟"

"سمندر کے راستے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ۔ اس طرح تو سفر بہت لمبا نہیں ہو جائے گا۔ آپ کے پاس تو مسٹر چار سو بیس کے تمام کاغذات ہیں اور اس کی آواز، لب و لہجے اور حرکات و سکنات سب چیزوں کی آپ نقل کر لیتے ہیں۔"

"اس کے باوجود ہمیں سمندر کے راستے جانا پڑے گا۔ خشکی کے راستے قدم قدم پر چیکنگ کی جائے گی اور بہت وقت ضائع ہو گا۔"

"ہوں۔ جیسے آپ کی مرضی۔"

ان کی کار دو گھنٹے تک چلتی رہی۔ آخر انھوں نے سمندر کا شور سنا۔ وہ ایک ویران ساحل پر پہنچے اور پھر

کچھ دور انھیں پیدل بھی چلنا پڑا۔ کار انھوں نے وہیں چھوڑ دی تھی۔

"کیا ہماری واپسی تک کار یہیں کھڑی رہے گی؟"

"ہاں! ایک سادہ لباس والا اس کی نگرانی کرے گا۔"

سمندر کے کنارے ایک بہت بڑی لانچ موجود تھی۔ اس کے عرشے پر ایک نوجوان آدمی رائفل لیے کھڑا تھا:

"ہاں سلیمان۔ کیا خبر ہے؟"

"بالکل تیار۔" اس نے فوراً کہا۔

"شکریہ۔ لانچ میں خود چلاؤں گا۔ اس لیے تم بھی اتر آؤ۔"

"جی۔ لیکن میں نے تو سنا تھا کہ آپ مجھے ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"پہلے یہی پروگرام تھا۔ اب نہیں۔ اس مہم پر صرف اور صرف ہم جائیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"او کے سر۔" اس نے کہا اور لانچ سے نیچے اتر آیا۔

وہ آبدوز نما لانچ پر سوار ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے سٹیرنگ سنبھالا اور پھر وہ سمندر کی لہروں پر تھے۔ لانچ بلا کی رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید کی نظریں سمت بتانے والے آلے پر تھیں۔ اسی وقت فوجی سائرن بجنے

لگے۔ شاید دشمن کے لڑاکا طیارے حملہ کرنے آرہے تھے۔
شہر پہلے ہی مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور وہ
تو اس وقت تھے ہی سمندر میں۔ سمندر میں روشنی کہاں۔
ان کی لانچ کے بھی صرف اندر روشنی تھی۔ باہر سے مکمل
طور پر وہ تاریکی کی لپیٹ میں تھی۔

"ویسے ابا جان۔ آپ نے اب تک کوئی اندازہ تو
لگایا ہوگا۔ کہ ہمارے پڑوسی دشمن ملک کا اشارہ پر کیا
دباؤ ہو سکتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"نہیں۔ ابھی تک میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس
قسم کے معاملات بہت خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ اگر ہمارے
فوجیوں کے ہاتھ وہ اسلحہ نہ لگتا تو ہمارے فرشتوں کو بھی خبر
نہ ہوتی کہ اندر ہی اندر کیا لاوا پک رہا ہے۔"

"کس قدر خوف ناک بات ہے کہ جو ملک ہماری فوجی
مدد کر رہا ہے، وہی ہمارے دشمن ملک کی بھی مدد کرے۔"
محمود نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"جنگوں کے دوران اس سے بھی کہیں زیادہ خوف ناک باتیں
ہو جاتی ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اگر ہمیں ان حالات کا علم نہ ہوتا تو شاید دشمن ملک
کا اگلا قدم یہ ہوتا کہ وہ ہماری امداد بالکل ختم کروا دیتا

اور اپنی امداد میں اضافہ کروا لیتا۔"

"اور ان حالات پر غور کرنے کے بعد آخر کار وہی نتیجہ
نکلتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی۔ کون سا نتیجہ؟" فاروق جلدی سے بولا۔

"یہ کہ مسلمان کو صرف اور صرف اپنے اللہ پر بھروسا کرنا
چاہیے۔"

"جی بس۔ یہی ہماری غلطی ہے۔ افسوس!" محمود نے
سرد آہ بھری۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ابا جان۔ آپ تو خیر
اس غیر ملکی جاسوس کے میک اپ میں ہیں۔ لیکن ہم۔
ہمارا کیا بنے گا۔"

"میں نے میک اپ کا سہارا صرف دشمن ملک میں داخل
ہونے کے لیے لیا ہے۔ ایک بار ہم اندر داخل ہو جائیں،
پھر میں اس میک اپ کو ختم کر دوں گا۔" وہ بولے۔

"لیکن جہاں بھی میک اپ سے کام لیا جائے گا، وہاں
ہمارے بارے میں کیا جواب دیں گے۔"

"یہ کہ میں تم لوگوں کو گرفتار کر کے لایا ہوں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن ابا جان۔ ہمارے ہاتھ پیر تو کھلے ہوں گے۔"

"بھئی تم - ذہن کو پریشان نہ کرو - تمہارے ہاتھ باندھنے کا بھی انتظام کر لیا گیا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے، ابھی اس کی ضرورت نہیں۔"

"آپ نے کیا فرمایا - انتظام کر لیا گیا ہے۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"ہاں! بس - دیکھتے جاؤ۔" وہ مسکرائے۔

ان کا سفر جاری رہا - پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد لانچ ایک ساحل پر رکی - انھیں ایک ویگن کھڑی نظر آئی، اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا تھا - اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی - انھیں دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا اور پھر جوں ہی اس نے انھیں پہچانا - وہ جلدی سے نیچے اتر آیا؛ تاہم اس کے چہرے پر الجھن کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

"انسپکٹر صاحب - آپ کے ساتھ نظر نہیں آ رہے۔" اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" محمود بولا۔

"لیکن - میں ان کے بغیر آپ کو آگے نہیں لے جا سکوں گا۔"

"کیوں؟" فاروق مسکرایا۔

"اس لیے کہ آپ لوگوں کی شناخت کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"ہم اپنی اصلی شکل صورت میں ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں - میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔"

"یہ بات تو پھر آپ ابا جان سے بھی کہتے۔"

"نہیں - وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہوتے تو میں ان سے ایک بات پوچھتا - وہ اس بات کا جواب دیتے اور میں جان لیتا کہ وہی ہیں یا ان کے بھیس میں کوئی اور۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے - اور وہ بات کیا ہے جو آپ ان سے کہتے۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"وہ بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"ضرورت بھی نہیں ہے بتانے کی - چاند نکل آیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہائیں - یہ آپ ہیں۔" وہ اچھل پڑا۔

"لیکن ابھی تم نے اپنی تصدیق نہیں کروائی۔"

"مطلع پھر بھی ابر آلود ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے - یہ تم ہی ہو - سناؤ غازی - کیا حال ہے؟"

"جی بس - آپ کی دعائیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے - اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"آئیے۔" اس نے کہا۔

"ڈرائیونگ میں کروں گا۔ تم ان کے ساتھ اندر بیٹھ کر اپنا کام کروگے۔" وہ بولے۔

"او کے سر۔"

وہ ویگن پر سوار ہو گئے۔ لانچ جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔

"اور یہ لانچ۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اس کی فکر نہ کریں۔ ہمارے ساتھی اسے ایک نزدیکی جزیرے تک پہنچا دیں گے اور بوقتِ ضرورت پھر یہیں لے آئیں گے۔"

"اوہ اچھا۔ گویا تمام انتظام پہلے ہی کر لیا گیا ہے۔"

"ہاں۔ انسپکٹر صاحب کی ہدایات ہمیں پہلے ہی مل چکی ہیں۔ اچھا اب آپ لوگ اپنے ہاتھ بندھوا لیں۔"

"ہمیں ہاتھ بندھوانے میں تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اگر ہم خطرے میں گھر گئے تو بندھے ہوئے ہاتھوں سے کیا کر سکیں گے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"پہلے ہاتھ بندھوا لیں۔ اور پھر یہ سوال کریں۔" فازی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

وہ ان کے ہاتھ باندھنے لگا۔ آخر بولا:

"اب اپنے ہاتھ ہلا جلا کر دیکھیں۔"

انھوں نے ہاتھوں کو ہلانے جلانے کی کوشش کی، لیکن وہ پوری طرح جکڑ دیے گئے تھے:

"ٹھیک ہے۔ پوری مضبوطی سے باندھے گئے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"اب رسیوں سے خود کو آزاد کرنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کو دو منٹ دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"لائیے۔ کہاں ہیں۔" فاروق بولا۔

"کک۔ کیا چیز۔"

"وہ دو منٹ۔ جو آپ ہمیں دے رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اوہ ہاں یاد آیا۔ آپ بہت شگفتہ مزاج ہیں۔" وہ ہنس دیا، پھر بولا:

"اب اپنے انگوٹھے۔ اس جگہ پھنسا کر زور لگائیں۔"

"کیوں۔ اس سے کیا ہوگا۔"

"زور لگا کر دیکھ لیں۔" اس نے کہا۔

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ فوراً ہی ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"ارے!"

ان کے ہاتھ یک دم رسیوں سے آزاد ہو گئے تھے۔ ساتھ

ہی ان کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے۔

"کمال ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ ہے ہاتھ باندھنے کا ایک خاص طریقہ۔ اب تو آپ مطمئن ہیں۔" اس نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

"ہاں! بالکل۔ لیکن اب آپ کو پھر محنت کرنا پڑے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہمارا سفر کافی لمبا ہے۔" اس نے کہا اور پھر ان کے ہاتھ باندھنے لگا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے بریک لگائے۔ انھوں نے چونک کر اگلے حصے کی طرف دیکھا:

"کیا ہوا ابا جان؟"

"پتا نہیں۔ گاڑیوں کی لمبی قطار لگی ہوئی ہے۔"

"اوہ۔ کہیں چیکنگ تو نہیں ہو رہی۔"

"ہاں! نظر تو یہی آ رہا ہے۔" وہ بڑبڑائے، پھر بولے:

"لیکن تم لوگوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں انھیں سنبھال لوں گا۔"

ایک ایک قدم کاروں کی قطار آگے بڑھتی رہی۔ آخر ان کی باری بھی آ ہی گئی۔ ایک ملٹری مین نے کھڑکی کے سامنے آ کر کہا:

"اپنے کاغذات دکھا دیں۔"

"بہت بہتر!" انھوں نے کہا اور مسٹر چار سو بیس کے کاغذات اس کے سامنے کر دیے۔

کاغذات پر نظر پڑتے ہی ملٹری مین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے سرد اور خشک لہجے میں کہا:

"آپ اپنی گاڑی اس طرف نکال لائیے۔"

"شاید آپ نہیں جانتے۔ میں کس ڈیوٹی پر ہوں۔ اور کاغذات کو بھی آپ نے غور سے نہیں پڑھا۔"

"جی۔ میں پڑھ چکا ہوں۔ آپ اس طرف آ جائیے۔ ہمیں آپ ہی کی تلاش تھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب ہم آپ کو ضرور بتائیں گے۔ پہلے اس طرف آ جائیے۔ آپ کے لیے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تمام سڑکیں ہم نے بلاک کر رکھی ہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ لیکن میں کہے دیتا ہوں۔ آپ کو اس حرکت پر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہاں۔ آپ کو ضرور افسوس ہوگا کہ اس میک اپ میں کیوں آئے۔" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب؟" اس مرتبہ وہ زور سے بولے۔ اور پھر ان کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تیر گئے۔

انھوں نے ویگن گاڑیوں کے درمیان سے نکال لی۔

"باقی گاڑیوں کی چیکنگ کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی، جس کی تلاش تھی۔ وہ گاڑی مل گئی ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

چیکنگ کرنے والے فوجی گاڑیوں کے پاس سے ہٹ آئے۔ گاڑیاں تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگیں۔ ادھر ان کی گاڑی کو پوری طرح گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ سنگینیں لگی رائفلیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"نیچے اتر آئیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ کچھ دور پیدل چلنا ہوگا۔" اسی ملٹری مین نے کہا۔

وہ نیچے اتر آئے۔ نزدیک ہی ایک سفید رنگ کی عمارت میں انھیں لایا گیا۔ اور پھر ایک کمرے میں داخل ہونے کا اشارہ کیا گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ زور سے اچھلے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

مسٹر چار سو بیس ان کے سامنے صوفے میں دھنسا شوخ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

زبان خاموش

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا:

"مسٹر چار سو بیس۔ آپ اور یہاں۔"

"ہاں! اسی لیے تو آپ بھی یہاں نظر آ رہے ہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"بہت خوب۔ آپ کس طرح فرار ہوئے؟"

"فرار ہونا میرے لیے کچھ مشکل کام نہیں تھا۔ مجھے تھوڑا سا حبس دم کا تجربہ ہے۔ بس میں اچانک گرا اور ساکت ہو گیا۔ مجھے فوراً حوالات سے نکالا گیا اور پھر میں اٹھتے ہی بھاگ نکلا۔ آپ کے نگران میرا پیچھا ہی کرتے رہ گئے۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! اور اب میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ میں کیا

ہُوں۔"

"وہ تو ہم جانتے ہی ہیں۔ آپ اپنے مُلک کے جاسوس
ہیں اور ہمارے مُلک میں جاسوسی کے فرائض سرانجام دے رہے
ہیں۔"

"اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی تو بتاؤں گا کہ میرے
یہاں کیا اختیارات ہیں۔"

"ضرور بتایئے جناب۔ ہم بہت دل چسپی سے سُنیں گے"
محمود نے فوراً کہا۔

"دل چسپی تو خیر واقعی تمھیں لینا پڑے گی۔۔ لے چلو
انھیں سیاہ کمرے میں۔"

"سیاہ کمرہ۔ کیا مطلب؟"

"سُنا ہے۔ تم لوگوں نے بھی ایک کمرۂ امتحان بنا رکھا
ہے۔"

"جی ہاں۔ بنا تو رکھا ہے۔ تو کیا سیاہ کمرہ اسی قسم کی
کوئی چیز ہے؟"

"اس سے بہت آگے۔ اس میں سختی کرنے کے جدید
آلات نصب ہیں۔"

"لیکن وہ تو ایسے موقعوں پر استعمال کیے جاتے ہیں
جب کوئی بات اگلوانا ہو۔ آپ ہم سے کیا اگلوانا چاہتے

ہم یہیں بتائے دیتے ہیں۔" فاروق نے گھبرائے ہوئے لہجے
میں کہا۔

"اے۔ فاروق۔ خبردار۔ تم زبان بھی نہیں ہلاؤ گے۔"
محمود غرایا۔

"تو کیا۔ تم چاہتے ہو۔ ہم لوگ سیاہ کمرے میں جا کر
سیاہ ہو جائیں۔"

"یہ صرف گیدڑ بھبکیاں ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر میں ہرگز کچھ نہیں
بتاؤں گا۔"

"اور تم سے پُوچھ کون احمق رہا ہے۔ اُلّو۔" اس نے
شوخ آواز میں کہا۔

"آپ" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"شٹ اَپ" وہ چلا اُٹھا۔

"آپ نے خود ہی تو ایک بات پُوچھی تھی" فرزانہ نے
منہ بنایا۔

"اگر آپ ہم سے نہیں پوچھ رہے تو کیا ہمارے فرشتوں
سے پُوچھنے کا ارادہ ہے۔"

"تمھارے فرشتے بھی کچھ نہیں بتا سکیں گے۔ میں تو انسپکٹر
جمشید سے سوالات کروں گا۔"

"اور میری زبان خاموش رہے گی۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" خان رحمان بولے۔

"میں کسی سے کچھ اگلوانا چاہوں اور اس کی زبان بند رہے۔" اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا ہو۔ لیکن آج ایسا ضرور ہو گا۔"

"ابھی آپ کو میرے طریقۂ کار کا علم نہیں انسپکٹر جمشید۔" وہ بولا۔

"علم بھی ہو جائے گا۔"

"لے چلو انھیں۔"

انھیں ایک طرف دھکیلا جانے لگا۔ ان کے چاروں طرف رائفلیں ہی رائفلیں تھیں۔ کسی طرف سے بھی وہ کوئی حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ تاہم وہ موقعے کی تاک میں تھے اور ان کی آنکھیں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔ آخر وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔ عجیب و غریب آلات نصب تھے۔

"انسپکٹر جمشید کو مشین نمبر پانچ میں کس دو۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یوں کچھ نہیں ہو گا۔ جوں ہی آپ کو مشین میں کس دیا جائے گا۔ اور چند بٹن دبائے جائیں گے۔ آپ فر فر بولنے لگیں گے۔ میرے ہر سوال کا جواب دیں گے، اور میں آپ سے وہ تمام راز اگلوا لوں گا جو آپ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ اور جن کے بارے میں آپ کی حکومت کو اطمینان ہے کہ وہ راز ایسے سینے میں ہیں کہ جس سے نکلنے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ آج میں آپ کی حکومت کا یہ خیال بھی غلط ثابت کر دوں گا۔"

"آپ باتیں ہی بنائے جا رہے ہیں۔ کچھ کر کے بھی تو دکھائیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تو پھر مشین نمبر پانچ کی طرف قدم اٹھائیں۔" اس نے کہا۔

"میں کیوں اٹھاؤں۔ آپ لوگ خود مجھے لے جائیں اس طرف۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ اٹھاؤ بھئی انھیں۔"

چار آدمی آگے بڑھے۔ اس غرض کے لیے انھیں اپنی رائفلیں ایک طرف رکھ دینا پڑیں؛ تاہم وہ میز جس پر رائفلیں رکھی گئیں۔ ان سے کافی دور تھی اور درمیان میں کتنے ہی

رائفلوں والے موجود تھے۔ گویا ان تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ اُٹھا کر استعمال کرنے والی بات دُوسری تھی۔

وُہ چاروں یک دم جھکے۔ تاکہ انھیں ٹانگوں سے پکڑ کر اُٹھا لیں۔ انسپکٹر جمشید نے نہایت پُر سکون انداز میں ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور اچھل کر دُوسری طرف جا کھڑے ہوئے۔ چاروں جھنّا کر پلٹے:

"یہ کیا۔ سرکس کے کرتب دکھانے کا ارادہ تو نہیں انسپکٹر جمشید؟"

"اگر آپ لوگوں نے پسند کیا تو دکھا دیں گے۔" وُہ بولے۔

"ہوشیار ہو کر پکڑو بھئی۔ یہ حضرت بہت تیز طرار خیال کرتے ہیں خود کو۔" اس نے کہا۔

چاروں ایک بار پھر ان کی طرف بڑھے۔ اس مرتبہ اُنھوں نے چاروں طرف سے قدم اُٹھائے تھے۔ بازو اُنھوں نے آگے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ نزدیک پہنچتے ہی انھوں نے یک دم جھپٹا مارا۔ لیکن انسپکٹر جمشید بلا کی تیزی سے نیچے بیٹھ گئے اور اُن کے ہاتھ آپس میں اُلجھ کر اور ٹکرا کر رہ گئے، وُہ چکرا گئے۔ یہ دیکھ کر چار سَو بیس نے جل بُھن کر کہا:

"بس۔ پکڑ چکے تم انھیں اور لے جا چکے نمبر پانچ مشین کی طرف۔"

"اگر یہ بات ہے۔ تب تو انھیں آرام کرنا چاہیے۔" فارُوق

...کرایا۔

"آٹھ آدمی مل کر انھیں قابو میں کریں۔" چار سَو بیس نے حُکم

...یا۔

چار اور نے رائفلیں رکھ دیں اور ان کی طرف لپکے۔

...س مرتبہ آٹھ آدمیوں نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔

"اب مَیں کوئی چالاکی نہیں دکھاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید نے تھکے

...کے لہجے میں کہا۔

"بس۔ نکل گئی ساری تیزی۔"

"نہیں خیر۔ نکل تو نہیں۔ ابھی انھی میں ہے۔" فارُوق نے

کہا۔

"تم چُپ نہیں رہ سکتے۔" چار سَو بیس غرّایا۔

"اگر آپ کو میرے بولنے پر اعتراض ہے تو میں چُپ

ہو جاتا ہوں۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"ہاں! تم چُپ ہی ہو جاؤ۔" وُہ بولا۔

"اچھی بات ہے۔ اب مَیں نہیں بولوں گا۔ جب تک کہ خود

آپ بولنے کی فرمائش نہیں کریں گے۔"

"...کیا کہا۔ مَیں اور تم سے بولنے کی فرمائش کروں گا۔ تم

گلوکار ہو گیا۔ مقرر ہو گیا؟"

"نہیں۔ دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔" فاروق نے بلا
سے سر ہلایا۔

اس وقت تک آٹھ آدمی ان کے نزدیک پہنچ چکے تھے
انھوں نے ان کے بازوؤں اور ٹانگوں کو پکڑ لیا۔ یہ دیکھ
کر چار سو بیس نے چہک کر کہا:

"بس۔ بن گیا کام۔ اب یہ کوئی حرکت نہیں کر سکیں
گے۔"

"واقعی۔ اب میں کوئی حرکت نہیں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا۔

"اٹھاؤ بھئی۔ اب کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"

"وہ۔ وہ۔ جی۔ وہ۔" ان میں سے ایک ہکلایا۔

"کیا وہ وہ لگا رکھی ہے۔"

"یہ۔ یہ ہم سے نہیں اٹھ رہے۔" دوسرا بولا۔

"کیا کہا۔ نہیں اٹھ رہے۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔
تم آٹھ ہو اور یہ اکیلے۔ اور آٹھ آدمی مل کر بھی انھیں
نہیں اٹھا رہے۔ تم لوگوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔" فاروق بولا۔

"تم تو کہ رہے تھے۔ میں اب نہیں بولوں گا۔ ہائیں۔
تم نے کیا کہا۔ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ یعنی

ڈوب مرنے کے لیے۔"

"نہیں۔ وہ مرحلہ بعد میں آئے گا۔ پہلے آپ ان کے
ساتھ مل کر اٹھانے کے لیے زور تو لگائیں۔"

"مجھے ان کے ساتھ مل کر زور لگانے کی کوئی ضرورت
نہیں۔ اس کام کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔"

"تو پھر یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔ اُلّو کے پٹھو۔ میں خود انھیں
مشین نمبر پانچ تک لے جاؤں گا۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔" خان رحمان مسکرا دیے۔

چار سو بیس نے انھیں گھور کر دیکھا اور پھر تیزی سے
آگے بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے گرا۔ منہ فرش
پر لگا۔ منہ اوپر اٹھا تو ناک سے خون بہ رہا تھا اور وہ
پہلے کی نسبت زیادہ خوف ناک لگ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ ٹانگ کس نے اڑائی تھی۔"

"تم۔ میں نے۔" محمود بولا، پھر اس نے جلدی سے کہا:

"لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"تو پھر کس کا قصور ہے۔" وہ غرایا۔

"میری ٹانگ کا۔ اس کی یہ خاص عادت ہو گئی ہے۔
بس موقع بے موقع اڑ جاتی ہے۔"

"تو پھر فکر نہ کرو - یہاں تمہاری ٹانگ کاٹ دینے کا
بھی انتظام ہے۔"

"ارے باپ رے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں - نکل گئی جان۔"

"اب جان بے چاری بھی کیا کرے۔" فرزانہ مسکرائی۔

وہ اب اُٹھ چکا تھا - اور انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھ
رہا تھا -

"یہ - یہ کیا مسٹر چار سو بیس۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"بس - ڈر گئے۔" چار سو بیس ہنسا۔

"یہ بات نہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر - کیا بات ہے۔"

"گھبرا میں اس لیے رہا ہوں - کہ آپ کی ناک سے خون بہ
رہا ہے - میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے - مہربانی فرما کر
پہلے ناک سے خون صاف کر لیں - اور پھر میری طرف بڑھیں۔"

اُن کی کھی کھی شروع ہو گئی - چار سو بیس کا چہرہ
سُرخ ہو گیا -

"لیجیے - اب سب آپ پر ہنس رہے ہیں۔" خان رحمان
بول اُٹھے -

"کیا - سب ہنس رہے ہیں - ان کی یہ مجال کہ مجھ پر ہنسیں۔"

"نن - نہیں - مسٹر چار سو بیس - ہم - ہم تو نہیں ہنس
رہے -"

"تو پھر - کیا تمہارے باپ اور دادا ہنس رہے ہیں -
ٹھہرو پہلے تم سے نبٹتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جھلّاتے ہوئے انداز
میں ان کی طرف لپکا -

"مسٹر چار سو بیس - کچھ خیال کیجیے - اس طرح ہم ان
لوگوں کو کبھی بھی شکنجے میں نہیں کس سکیں گے اور یہ ہمارا
خوب مذاق اڑائیں گے۔"

"اوہ!" اسے ایک جھٹکا سا لگا - ان کی طرف اُٹھتے اس کے
قدم رُک گئے -

"میں ان لوگوں کو اس قابل رہنے ہی کب دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ان کی طرف پلٹا اور خوف ناک انداز
میں ان کی طرف بڑھا، پھر اس کے ہاتھ میں پستول بھی
نظر آیا - اب اس کی آنکھیں خون اُگل رہی تھیں -

"آپ - آپ کیا کرنے لگے ہیں۔"

"میں انھیں موت کی نیند سُلا کر رہوں گا۔"

"لیکن آپ تو ان سے کچھ پوچھنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔"

"جہنم میں گیا کچھ پوچھنا۔" وہ بولا۔

"ہاں! ٹھیک تو ہے - وہ خود ہی ان سے پوچھ لے

گنگنا: اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

" غلط - وہ بے چارہ کس طرح پوچھ سکے گا۔ جب کہ ہم جنت میں ہوں گے اور وہ جہنم میں۔"

" خاموش۔" اس نے چیخ کر کہا۔

پستول والا ہاتھ تن گیا - لیکن اس وقت وہ ایک بار پھر اوندھے منہ گرا - پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا - جس کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی - سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے - لہٰذا فرزانہ کو پستول اٹھاتے کوئی نہ دیکھ سکا -

طریقۂ کار

اس نے غصے کے عالم میں سر پیچھے کی طرف گھمایا - فاروق اس کے بالکل نزدیک موجود تھا اور دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا - اس سے پہلے کہ چار سو بیس کے منہ سے کوئی جملہ نکلتا ، اس نے پُرسکون آواز میں کہا :

" بُرا ہو اس بُری عادت کا۔"

" کیا کہہ رہے ہو بھئی۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

" کیوں - کیا میں کچھ غلط کہہ گیا۔"

" تم نے یہ جملہ کہا ہے - بُرا ہو اس بُری عادت کا۔"

" ہاں تو اس میں کیا بُرائی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

" اب تم سے کون مغز مارے۔" اس نے جل کر کہا۔

" تم -" فاروق بولا۔

" میں تم لوگوں کا اب وہ حشر کروں گا کہ مرنے کے بعد بھی تمہاری روحیں کانپتی رہیں گی۔" چار سو بیس نے

غرّا کر کہا۔

"یہ - یہ تو ان کے ساتھ بہت زیادتی ہو گی جناب۔"

"کن کے ساتھ؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہماری رُوحوں کے ساتھ۔" اس نے کہا۔

"ارے - میرا پستول کہاں گیا۔"

"یہ - یہ رہا میرے پاس" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا اور پستول والا ہاتھ سامنے کر دیا۔ اس طرح کہ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی - اور دباؤ ڈالتی نظر آ رہی تھی -

"ارے - خبردار - ٹریگر نہ دبانا" چار سو بیس نے چلّا کر کہا۔

"مم - مَیں - کیا کروں - میری انگلی چپک کر رہ گئی ہے ٹریگر پر اور ہٹائے نہیں ہٹ رہی۔"

"بہت گندی عادت ہے - تمھاری اُنگلی کی - اب جب تک ٹریگر دب نہیں جاتا - یہ کہاں ہٹے گی" فاروق چہکا۔

"خبردار - موت کو آواز نہ دینا - نال کا رُخ بالکل میری طرف ہے - اس کا رُخ پھیر دو" چار سو بیس نے بلند آواز میں کہا -

"مم - میں رُخ پھیر دوں، لیکن کس کی طرف؟" فرزانہ نے گھبرا کر پوچھا -

"اپنے کسی ساتھی کی طرف۔"

"یہ - یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب - ہاں اگر آپ پسند کریں تو اپنے کسی ساتھی کی طرف پھروا لیں رُخ" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ٹھ ٹھ - ٹھیک ہے - پھیر دو - پھیر دو" اس نے کانپ کر کہا -

"دیکھا - مسٹر چار سو بیس کے ساتھیو - اس شخص کو اپنی جان کی تو پروا ہے، لیکن تمھاری جانوں کی ذرا بھی پروا نہیں - اور تم ایسے شخص کے احکامات کی تعمیل کرتے ہو" فرزانہ بولی -

اس کے ساتھیوں کے چہرے غصّے سے تن گئے - ان میں سے ایک نے کہا:

"مسٹر چار سو بیس - یہ آپ کیا کر رہے ہیں"

"میں - غلط کر گیا - تم تو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"اگر جان سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر لو - ان کی بجائے تم گولی کھا کر دیکھو" فرزانہ کی انگلی پھر ٹریگر پر دباؤ ڈالتی نظر آئی -

"ہاں! کھانے کے بعد ذرا ہمیں بھی بتانا - ذائقہ کیسا ہے" فاروق نے کہا -

"نن - نہیں - ٹھہرو"

اور فرزانہ نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی چار سو بیس کے کندھے پر سے گزر گئی؛ تاہم گولی چلنے کا دھماکا نہیں ہوا تھا، پستول بے آواز تھا۔

"میں نے جان بوجھ کر گولی کندھے کے اوپر سے گزاری ہے۔ یہ خیال نہ کرنا کہ میرا نشانہ خطا گیا ہے۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ دوسری گولی تمہیں نہ لگے تو اپنے ساتھیوں سے کہو۔ اپنی رائفلیں گرا کر ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔" فرزانہ نے سرد آواز میں کہا۔

"اوہ ہاں! ایسا نہ کرنا کہ رائفلیں اوپر اٹھا دو اور ہاتھ نیچے گرا دو۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"گرا دو رائفلیں۔ ورنہ یہ پاگل لڑکی مجھے ضرور گولی مار دے گی۔"

"بھئی۔ کم از کم تم اندازہ لگانے میں ضرور ماہر ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

رائفلیں گرنے کی آواز گونج اٹھی۔ محمود، فاروق، خان رحمان اور انسپکٹر جمشید نے جلدی سے ان کو سمیٹ لیا اور پھر ایک ایک رائفل ہاتھوں میں تھام لی۔

"مسٹر چار سو بیس۔ آپ کا کھیل تو ہو گیا ختم۔ اب یہاں سے ہمارا کھیل شروع ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟"

"بڑی مصیبت ہے۔ اب اس قدر آسان بات کا مطلب بھی بتانا پڑے گا۔"

"صرف اتنا بتا دو۔ چیف پٹ گاف تک ہم لوگ کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔"

"تمہارے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔"

"پھر فرشتے درمیان میں آ گئے۔ آج ہمیں کیا ہو گیا ہے۔ بات بات میں بات فرشتوں تک پہنچا رہے ہیں۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"تم اس بات کو چھوڑو۔ طریقہ بتاؤ۔ اس تک پہنچنا ہمارا اپنا کام ہو گا۔"

"پہلے یہ بتاؤ۔ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔"

"اگر تم نے طریقہ درست بتایا تو پھر بہت اچھا سلوک کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"افسوس۔ میں نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں۔ اب کیا ہوا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم ہمارے ساتھ اچھا سلوک پھر بھی نہیں کرو گے۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

"نہیں — میں نہیں بتا سکتا۔"

"تمھاری مرضی — اب ہم تمھیں ان شکنجوں میں کس کر تمھاری
زبان کھلوائیں گے — مطلب یہ کہ جو پروگرام تھوڑی دیر
پہلے تمھارا تھا، اب وہی پروگرام ہمارا ہے۔"

"لیکن تم ان شکنجوں کو کام میں لاتا کیا جانو۔" اس نے
پریشان ہو کر کہا۔

"لے آئیں گے کام میں — اب تم سب ایک ایک شکنجے
میں داخل ہو جاؤ — اور دروازے بند کر لو — اگر تم ایسا
نہیں کرو گے تو پھر پستول کا ٹریگر دبتا چلا جائے گا۔"

"نن — نہیں — ٹھہرو — میں بتاتا ہوں طریقہ۔" چارسوبیس
نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن غلط طریقہ نہ ہو — غلط ہونے کی صورت میں تم
ڈبل مصیبت میں پھنسو گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ کیسے؟"

"ہمارے بھی کچھ طریقے ہیں — اب ہم ہر طریقے کی تو
وضاحت نہیں کر سکتے۔" وہ بولے۔

"فکر نہ کرو — طریقہ بالکل درست ہوگا، لیکن تم اس
میں کامیاب ہو سکو گے یا نہیں — ہم اس کی تو ضمانت
نہیں دے سکتے۔"

"فکر نہ کرو — اس کی ضمانت ہم خود دیں گے۔"

"خیر ہمیں کیا — سنیں — چیف پٹ گاف شہر کی سب سے
اہم عمارت ریڈ بلڈنگ میں بیٹھتا ہے — یہ پوری کی پوری
بلڈنگ اس کے قبضے میں ہے — نہایت جدید طرز کی عمارت
ہے — تمام دروازے خود کار ہیں — ملاقات کے لیے آنے
والے کو پہلے صدر دروازے پر لگا گھنٹی کا بٹن دبانا پڑتا
ہے — آواز کے ساتھ ہی چیف کا نائب سکاٹ ایک بٹن
دباتا ہے اور اس کے کمرے میں لگی ٹیلی ویژن سکرین روشن
ہو جاتی ہے — اور وہ اس سکرین پر ملاقاتی کو بخوبی دیکھتا
ہے — پھر اس سے بات کرتا ہے — اگر ملاقاتی اسے
مطمئن کر دے تو پھر وہ پٹ گاف سے بات کرتا ہے اور
ملاقاتی کی بات اس سے کراتا ہے — اگر غلط آدمی ہو تو
الارم بجا دیتا ہے اور عمارت کی نچلی منزل میں موجود
خفیہ پولیس خفیہ راستوں سے صدر دروازے تک پہنچ کر اس
کو گرفتار کر لیتی ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"ہوں! تب تو معاملہ بہت ٹیڑھا ہے — خیر — اس کی
رہائش کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"رہائش بھی اسی عمارت میں ہے۔"

"اوہ — یہ اور بھی بری بات ہے — خیر وہ کسی وقت

عمارت سے باہر بھی تو نکلتا ہو گا۔ کہ ہمیشہ عمارت میں ہی
رہتا ہے۔"

"ہاں! یہ بھی سُن لو۔" یہ کہتے ہوئے چار سو بیس مسکرا
اس کی مسکراہٹ میں گہرا طنز تھا۔

"جب اسے کہیں باہر جانا ہوتا ہے تو ایک بالکل ب
گاڑی عمارت کے اندر ہی اس کے دروازے تک آ جاتی
ہے۔ اور وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور ڈرائیور گاڑی کو
عمارت سے باہر لے آتا ہے۔ گاڑی جدید ترین ہے اور بلٹ
پروف بھی ہے۔ اس کے دروازے بھی خود کار ہیں۔" وہ
کہتا چلا گیا۔

"شکریہ۔ اور کوئی بات۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز
میں کہا۔

"بس۔ اب کیا خیال ہے۔ کیا تم مُلاقات کر سکو گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔ یہ کیا مشکل ہے۔ میں بغیر کسی
مشکل کے چیف پٹ گاف کے سامنے پہنچ جاؤں گا۔"

"وہ۔ وہ کیسے؟" چار سو بیس ہکلایا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میرا کام ہے۔"

"یہ بات مت بھولیے گا۔ اسے اس بات کا علم ہے،
کہ آپ میرے میک اَپ میں ہمارے مُلک میں داخل ہو چکے

"اچھا۔ یاد رکھوں گا۔" انھوں نے کہا۔

"اب ان کا کیا کرنا ہے۔" خان رحمان پریشان ہو کر
لے۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔ اگر ہم انھیں آزاد چھوڑ کر
اتے ہیں تو یہ پٹ گاف کو ساری صورتِ حال بتا دیں
اور پھر میری اس سے مُلاقات اور بھی مشکل ہو جائے
۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تو پھر آواز دیجیے نا۔ ایسے میں فرزانہ کے دماغ کو۔"
فاروق مسکرایا۔

"ابھی نہیں۔ پہلے ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ جائیں۔"

"اطمینان سے بیٹھ جانے کے لیے یہ عمارت بھی بُری
تو نہیں۔ ان لوگوں کو باندھ کر کسی کمرے میں بند کر دیتے
ہیں اور خود دوسرے کمرے میں مشورہ کر سکتے ہیں۔" خان
رحمان نے کہا۔

"ہاں! یہی کرنا ہو گا۔" وہ بولے۔

اور پھر انھوں نے چار سو بیس اور اس کے ساتھیوں
کو باندھنا شروع کیا۔ رسی کا ایک گولا اسی کمرے میں
سے مل گیا۔ اور یہ شاید ان لوگوں کو باندھنے کے لیے

وہاں رکھا گیا تھا۔ لیکن خود باندھنے والوں کو باندھنے کے کام آگیا۔ ایسے میں چار سو بیس نے کہا:

"دو۔ دیکھیے۔آپ لوگوں نے وعدہ کیا تھا۔ ہمیں موت کے گھاٹ نہیں اُتاریں گے۔"

"ہم اس بات پر قائم ہیں۔"

"تب پھر ہمیں باندھا کیوں جا رہا ہے؟"

"مجبوری ہے۔آپ کو آزاد بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہم۔ ہم آپ لوگوں کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھائیں گے۔"

"تو کیا ہوا دو تو اُٹھا سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"خیر۔ جو آپ کے جی میں آئے۔کریں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"فرزاد کا مقابلہ کرنے کا بھوت تو سوار نہیں ہو گیا تم پر۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ارے نہیں۔ میں اور فرزاد کا مقابلہ کروں گا۔ کسی بڑی چیز کے مقابلے کی بات ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔" فاروق مسکرایا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا میں تمہیں چیونٹی نظر آتی ہوں۔" فرزاد نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"چھوٹی چیز صرف چیونٹی ہی تو نہیں ہوتی۔" محمود کے لہجے ں حیرت تھی۔

"فاروق کے ذہن میں کوئی بات آ رہی تھی۔ کہیں وہ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ کا مطلب ہے۔ ذہن میں اِدھر اُدھر۔" محمود حیران رہ گیا۔

"ہاں! یہی سمجھ لو۔"

"فاروق۔ کہو۔تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کیوں نہ یہیں سے مسٹر پٹ گاف کو فون کیا جائے اور فون مسٹر چار سو بیس کریں۔ وہ انھیں یہاں آنے کی دعوت دیں۔ یہ کہہ کر کہ یہ ہمارے درمیان پھنس گئے ہیں۔ ظاہر ہے۔ پٹ گاف فوراً آئے گا اور اس طرح ہم اس سے ملاقات کر لیں گے۔"

"بس رہنے دو۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا چیز میرے بس کا روگ نہیں۔"

"یہی ترکیب وغیرہ سوچنا۔ جس کا کام اسی کو ساجھے

اور کرے تو ٹھینگا باجے۔"

"گویا یہ ترکیب تمہیں پسند نہیں آئی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔ پٹ گاف اس پوری عمارت کو گھیر لینے کا حکم دے دے گا اور پھر ہم کیا کر سکیں گے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"اس کے گھیر لینے سے کیا بنتا ہے۔ جب ہم اسے بتائیں گے کہ یہ سب لوگ ہمارے قبضے میں ہیں اور اگر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو ان لوگوں کو نقصان ساتھ پہنچے گا۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"کیوں مسٹر چار سو بیس۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ اس ترکیب پر عمل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔"

"کیا ضرور جا سکتا ہے۔ لیکن کریں ہرگز نہ۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس طرح ہم سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔"

"وہ کیسے؟"

"پٹ گاف کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ بہت بڑا اور خاص آدمی ہے۔ وہ آپ لوگوں کو ختم کرنے کے لیے ہم

یہ دس ہزار آدمیوں کو بھی ختم کرا دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا۔ لہٰذا وہ آتے ہی یہی حکم دے گا کہ اس پوری عمارت کو بم مار کر اڑا دو۔" چار سو بیس نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ۔ تب تو۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"تب تو کیا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تب تو یہ کہ یہ کام واقعی تمہارا ہے۔"

"پہلے ہم الگ کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ وہیں کوئی ترکیب سوچی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان سب کو باندھا جا چکا تھا۔ سب لوگ دوسرے کمرے میں آ بیٹھے۔ قیدیوں کے کمرے کو باہر سے بند کر دیا گیا۔

"ہمیں سوچنا صرف یہ ہے کہ کمزوری کہاں ہے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جی۔ کیا مطلب۔ کمزوری کہاں ہے۔"

"ہاں۔ پٹ گاف سے ملاقات کے سلسلے میں جو بھی طریقہ کار ہے۔ اس میں ہمیں کوئی کمزور پہلو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ ہم اس کمزور پہلو سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مثال کے طور پر ایک قلعہ فتح کرنا ہے۔ تو ایک ماہر فوجی پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ قلعے کا سب سے کمزور پہلو کون

سا ہے۔"

"اس کے لیے ہمیں شروع سے آخر تک جائزہ لینا ہو گا۔ مسٹر پٹ گاف ریڈ بلڈنگ میں رہتا ہے، ریڈ بلڈنگ تمام کی تمام اس کے قبضے میں ہے۔ کوئی ملاقاتی اگر گھنٹی بجاتا ہے تو اس کا نائب سکاٹ اس سے بات کرتا ہے اور سکرین پر اس کی تصویر بھی دیکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ پٹ گاف سے ملاقاتی کے بارے میں بات کرتا ہے۔ یہ تو حال ہے عمارت کا۔ اگر اسے کہیں باہر جانا ہوتا ہے۔ تو عمارت کے اندر سے ہی بند گاڑی میں بیٹھتا ہے۔ گاڑی بلٹ پروف بھی ہے، آخر اس سارے طریقۂ کار میں کمزور پہلو کہاں سے تلاش کریں۔" محمود نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"جب چار سو بیس یہ ساری بات بتا رہا تھا۔ کمزور پہلو مجھے اسی وقت سوجھ گیا تھا۔ اور اسی لیے میں نے کہا تھا کہ میں اس سے ملاقات کر سکوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"آخر کیسے۔ وہ کمزور پہلو کیا ہے؟"

"وہ پہلو ہے اصلی چار سو بیس اور نقلی چار سو بیس۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب؟

"پٹ گاف کو یہ ضرور معلوم ہے کہ میں چار سو بیس کے بلک اپ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ لیکن وہ یہ کس طرح معلوم کر سکتا ہے کہ۔ ہم میں سے کون اصلی ہے، کون نقلی۔ اب فرض کیا۔ میں مسٹر چار سو بیس کو اور تم سب کو باندھ کر اس عمارت تک لے جاؤں۔ قیدیوں میں مسٹر چار سو بیس بھی ہوں۔ اب میں اس سے بات کرتے ہوئے کہوں کہ میں نے انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا ہے اور اب انھیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے یہاں تک لایا ہوں۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید رک گئے۔

"لیکن ابا جان۔ اس وقت مسٹر چار سو بیس تو اسے خبردار کر ہی سکتا ہے کہ یہ جال ہے۔ جو ہم بچھا رہے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ بات میرے ذہن میں ہے، لیکن چار سو بیس کو ہم اس قابل رہنے ہی کیوں دیں گے۔"

"جی۔ وہ کیسے؟" فرزانہ بولی۔

"یہ تم بتاؤ گی۔ کہ ہم مسٹر چار سو بیس کو گفت گو کے قابل کس طرح نہ رہنے دیں۔"

"م۔ میں بتاؤں گی۔" فرزانہ ہکلائی۔

"ہاں! جلدی کرو۔" فاروق مسکرایا۔

فرزانہ سوچ میں ڈوب گئی۔ آخر اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے — یہ بہت آسان ہے — بلکہ سامنے کی بات ہے۔"

"سامنے کی بات — ہمیں تو یہاں سامنے کی کوئی بات بھی نظر نہیں آ رہی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"عقل کی آنکھوں کا علاج کراؤ۔" اس نے کہا۔

"پہلے ترکیب بتاؤ — علاج کا مرحلہ بعد میں آئے گا۔" فاروق بولا۔

"ترکیب یہ ہے کہ ہم مسٹر چار سو بیس کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔"

"حد ہو گئی — یہ کیا ترکیب ہوئی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تو تمہارے نزدیک یہ ترکیب ہی نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ سکاٹ اور پٹ گاف تو فوراً سمجھ جائیں گے — یہ ہم ہیں — چار سو بیس وغیرہ نہیں ہیں۔"

"تم بھی عقل میں فاروق کا مقابلہ کر رہے ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اب شاید تم پہیلیاں بجھوانے پر اتر آئی ہو۔ حالاں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے، تو پھر سنو — لیکن نہیں۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں — ہوتے ہیں نا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں! ہوتے تو ہیں — ویسے ہم نے آج تک دیکھے نہیں۔"

"تب پھر میں لکھ کر دے دیتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور فرزانہ لکھنے لگی۔ اس کی ترکیب پڑھ کر ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ مسکرانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پٹ گاف سے ملاقات کے لیے روانہ ہو رہے تھے، اس طرح کہ وین میں ان کے باقی ساتھی قیدیوں کی صورت میں بندھے ہوئے تھے اور انسپکٹر جمشید چار سو بیس کے میک اپ میں تھے۔ ریڈ بلڈنگ پہنچنے کے لیے انھوں نے شہر کے نقشے کا بہت دیر تک غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اور راستا ذہن نشین کر لیا تھا۔

آخر وہ ریڈ بلڈنگ پہنچ گئے۔ گاڑیاں پارک کرنے کے لیے ایک الگ جگہ یہاں موجود تھی۔ انسپکٹر جمشید نے وین

وہاں کھڑی کی اور پھر خود اس جگہ پہنچے جہاں گھنٹی بجائی جاتی تھی۔ یہاں کوئی نگران وگران نہیں تھا۔ بلکہ چاروں طرف عمارت کے باہر کوئی نگران نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمارت کے تمام دروازے بالکل بند تھے۔

انسپکٹر جمشید نے اللہ کو یاد کیا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

چوٹ کھا گئے

فوراً ہی ایک آواز اُبھری:

"کون؟"

"چار سو بیس۔"

"ہاں! کیسے آنا ہوا؟"

"میں ان سب کو گرفتار کر چکا ہوں۔ اور ایک وین میں بھر کر یہاں لے آیا ہوں۔" انھوں نے چار سو بیس کی آواز میں کہا۔

"بہت خوب۔ انھیں بھی نیچے اُتار لاؤ۔"

"او کے سر!" انھوں نے کہا اور وین کی طرف آئے۔ ہاتھ میں پستول لے لیا۔ اور انھیں نیچے اُترنے کا اشارہ کیا۔ ان کے صرف ہاتھ کمر کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ ٹانگیں نہیں باندھی گئی تھیں۔

اب وہ سب گھنٹی والے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔

"تو یہ ہیں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی۔ اور انسپکٹر جمشید ابھی تک تمھارے میک اپ میں ہیں۔"

"یس سر۔ میں نے ان پر اسی حالت میں قابو پایا ہے۔"

"ٹھیک ہے چار سو بیس۔ یہ تم نے کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ان لوگوں کو اندر لا سکتے ہو۔ مسٹر پٹ گاف تم سے ملاقات کریں گے اور اس مہم کی تفصیلات پوچھیں گے، اور تمھاری ترقی کی سفارش کریں گے۔ تم جانتے ہی ہو۔ ان کی سفارش صدر صاحب بھی رد نہیں کر سکتے۔"

"یس مسٹر سکاٹ۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے، ان کے لیے راستا خود بخود بنتا چلا گیا۔ جس راستے سے انھیں آگے بڑھنا تھا۔ اس راستے کے دروازے کھلتے رہے، یہاں تک کہ وہ لفٹ تک پہنچ گئے۔ لفٹ کا دروازہ بھی خود بخود ہی کھلا تھا۔ لفٹ میں داخل ہوئے اور وہ اوپر چڑھنے لگی۔ رکتے ہی دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکلے۔ اب ان کے سامنے ایک طویل برامدہ تھا۔ وہ برامدے میں چلتے گئے۔ ان کے دائیں بائیں کمروں کے دروازے تھے، لیکن کسی کمرے کا دروازہ نہ کھلا، یہاں تک کہ وہ برامدے کے آخر تک پہنچ گئے۔ اور پھر آخری سے پہلا دروازہ کھل گیا۔

اس طرف آ جائیے مسٹر چار سو بیس۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ اس طرح کہ انسپکٹر جمشید نے ان پر پستول تان رکھا تھا۔ انھوں نے دیکھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

"تشریف رکھیے۔ میں ابھی آپ تک پہنچتا ہوں۔" آواز سنائی دی۔

وہ بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ پانچ منٹ بعد کمرے میں ایک بغلی دروازہ کھلا اور لمبے قد کا ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں پر ایک عینک تھی:

"مبارک ہو مسٹر چار سو بیس۔"

"تھینک یو سر۔"

"یہ بھی معلوم ہوا۔ یہ لوگ یہاں کس غرض سے آئے ہیں؟"

"جی نہیں! مجھے ابھی ان سے اتنی باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بس میں نے سوچا۔ پہلے انھیں مسٹر پٹ گاف کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

"ہوں۔ سنا ہے، ان لوگوں کے ہاتھ انتشاریہ کا کچھ اثر لگا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ان کے اندر بے چینی پھیل گئی ہے۔"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے

ایک میٹنگ بھی بلائی تھی ۔ اور میں اس میٹنگ میں شامل
ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا ، لیکن انسپکٹر جمشید کی لڑکی
نے مجھے پکڑ لیا ۔ اور اس طرح میں گرفتار ہو گیا ۔ لیکن
پھر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور یہاں پہنچ گیا ۔ اس
وقت تو میں نے آپ کو یہ اطلاع دی تھی کہ انسپکٹر جمشید میرا
میک اپ میں یہاں ضرور آئے گا ۔"

"ہوں ۔ ٹھیک ہے ۔ مسٹر پٹ گاف اس وقت مصروف
ہیں ۔ آدھ گھنٹے کے بعد ملاقات ہو سکے گی ۔ تم انتظار کرو ۔"

"جی بہتر ۔" انھوں نے کہا ۔

اور وہ اسی بغلی دروازے سے دوسری طرف چلا گیا ۔
انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ، لیکن کوئی بات اس
جگہ نہیں کی جا سکتی تھی ۔ وہ تو کسی نہ کسی طرح پٹ گاف
کے سامنے پہنچ جانا چاہتے تھے ۔

آخر آدھ گھنٹا بھی گزر ہی گیا ۔ سکاٹ پھر اندر آیا :

"چلو بھئی ۔"

اور وہ اس کے پیچھے چل پڑے ۔ یہاں تک کہ ایک
کمرے میں داخل ہوئے ۔ یہ کمرہ عجیب چیزوں سے سجایا
گیا تھا ۔ ایک شاہانہ کرسی پر بھورے رنگ کا ایک آدمی
دھنسا ہوا تھا ۔ اس کی صرف جلد ہی بھوری نہیں تھی ۔

بال بھی بھورے تھے ، آنکھیں بھی بھوری تھیں ۔ ناک بھی بھوری
تھی ۔ اس نے سب پر ایک تیز نظر ڈالی اور پھر بولا :

"تو تم ہو چار سو بیس ۔" سانپ جیسی پھنکارتی آواز ان کے
کانوں سے ٹکرائی ۔

"یس سر ۔"

"لیکن میرا دعویٰ ہے کہ تم چار سو بیس نہیں ہو ۔" اس
نے کہا ۔

"جی ۔ کیا مطلب ؟" انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے ۔

"مطلب یہ کہ تم چار سو بیس نہیں ہو ۔"

"تو پھر ۔ کیا آپ کے خیال میں یہ چار سو بیس ہے ۔"
انھوں نے برا سا منہ بنا کر دوسرے چار سو بیس کی طرف
اشارہ کیا ۔

"نہیں ۔ یہ بھی چار سو بیس نہیں ہے ۔"

"یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر ۔" سکاٹ ہکلایا ۔

"ہاں سکاٹ ۔ یہ تمھیں دھوکا دے سکتے ہیں ۔ مجھے نہیں ۔"
سکاٹ اچھل پڑا ۔

"جی کیا مطلب ؟"

"اس وقت جو شخص میرے بالکل سامنے کھڑا ہے ۔ یہ
چار سو بیس نہیں ، انسپکٹر جمشید ہے ۔"

"کیا ؟" اس کے منہ سے نکلا ۔

"ہاں! اگر یقین نہیں تو میں ابھی ثابت کر دیتا ہوں۔"

"لیکن - آپ نے یہ کیسے جان لیا سر؟" سکاٹ بولا۔

"اپنے تجربے کی بنا پر - اگرچہ میں اس سے پہلے کبھی انسپکٹر جمشید سے نہیں ملا - اور نہ میری ملاقات کبھی چار سو بیس سے ہوئی ہے - اس کے باوجود میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے سامنے اس وقت انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھی کھڑے ہیں۔"

"اوہ - اوہ" سکاٹ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا، پھر وہ بولا:

"انسپکٹر جمشید کے بارے میں سنا تو بہت کچھ تھا، لیکن آج تجربہ بھی ہو گیا - لیکن سر - آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو یہ اندازہ ہو کیسے گیا۔"

"انسپکٹر جمشید کے ساتھیوں کی غلطی سے۔" وہ مسکرایا۔

"جی - کیا مطلب؟"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ انسپکٹر جمشید نے اپنا کردار بہت اچھے طریقے سے نبھایا ہے، لیکن ان کے ساتھی ناکام ہو گئے - اگر صورتِ حال وہی ہوتی - جو انھوں نے بتائی ہے - تو پھر اس وقت یہ دوسرا شخص جو چار سو بیس کے میک اپ میں ہے - انسپکٹر جمشید ہونا چاہیے

تھا - اور اسے پوری طرح ہوشیار نظر آنا چاہیے تھا - لیکن میں نے دیکھا کہ - وہ بالکل ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑا ہے - جیسے اسے کچھ کرنے کے لیے کسی موقعے کا انتظار نہ ہو - اور یہی وہ بات تھی جس نے مجھ پر سارا معاملہ روشن کر دیا۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں - میں واقعی چار سو بیس نہیں ہوں - بلکہ انسپکٹر جمشید ہوں - لیکن - کیا میں بھی ایک بات کہہ سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! ضرور - کیوں نہیں۔" پٹ گاف نے فوراً کہا۔

"تب پھر میں یہ کہوں گا کہ آپ بھی مسٹر پٹ گاف نہیں - ان کے میک اپ میں کوئی اور ہیں۔"

"کیا!" وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے۔

★

پٹ گاف کے چہرے پر حیرت کے آثار دوڑ گئے - خود سکاٹ بھی حیران رہ گیا - آخر پٹ گاف نے کہا:

"یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟"

"اندازے لگانا ہمارا بائیں ہاتھ کا کام ہے۔" فاروق

مُسکرایا۔

"پھر بھی۔ آج تک یہ اندازہ کوئی نہیں لگا سکا۔" پٹ گاف نے کہا۔

"گویا آج تک اس کمرے میں نقلی پٹ گاف ہی لوگوں سے مُلاقات کرتا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! اصلی پٹ گاف اس طرح کبھی سے مُلاقات نہیں کرتے۔ وہ ہمارے مُلک کا دماغ ہیں۔ مُلک کے دماغ کو ہم خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔ لہٰذا سامنے آکر مُلاقات میں کرتا ہوں؛ تاہم مُلاقات ہوتی دراصل انھی سے ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کمرے میں ہونے والی گفت گو۔ اور کمرے کا پورا منظر مسٹر پٹ گاف سُن اور دیکھ رہے ہیں۔ اور جو سوال وہ مُلاقاتی سے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی فوراً مجھے بتا دیتے ہیں۔" نقلی پٹ گاف نے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"میرے ہیٹ میں کانوں والے حصے کے پاس ایک ننھا سا آلہ فٹ ہے۔ وہ آلہ ان کا سوال میرے کان میں پہنچاتا ہے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن انسپکٹر جمشید۔ آپ نے یہ بات کس طرح جان لی؟"

"اس طرح کہ مسٹر سکاٹ باادب ہو کر نہیں کھڑے تھے۔ اگر ان کے سامنے مسٹر پٹ گاف ہوتے تو یہ ضرور باادب ہو کر کھڑے ہوتے، لیکن میں نے دیکھا۔ ان کی توجہ ان کی طرف تھی ہی نہیں۔ بس یہ سوال جواب ضرور سُن رہے تھے۔"

"ہوں۔ تم بھی کم عقل مند نہیں ہو۔ خیر۔ اب تم مسٹر پٹ گاف سے جو باتیں کرنا چاہو، کر سکتے ہو۔ گفت گو ان سے براہِ راست ہو گی۔"

"لیکن۔ ہم تو ان سے مُلاقات کرنے کے خواہش مند ہیں۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"افسوس۔ یہ مسٹر پٹ گاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ کسی غیر مُلکی سے نہیں ملتے۔"

"تب پھر ہم بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ چُوں کہ ہمارے مُلک کے دشمن ہو، اس لیے اب قانون کے حوالے۔" نقلی پٹ گاف نے کہا اور انھیں جانے کا اشارہ کیا۔

"آئیے مسٹر انسپکٹر جمشید۔"

"اب۔ جب یہاں تک آئے ہیں تو۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رُک گئے۔

"تو کیا؟"

"تو مسٹر پٹ گاف سے ملاقات ضرور کریں گے۔"

"ایسا نہیں ہو سکے گا۔" سکاٹ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر بلا کی پھرتی سے انھوں نے سکاٹ کا گلا دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کریں گے۔ اس کے دونوں ہاتھ فوراً ان کے ہاتھوں پر جم گئے۔ اور اپنا گلا چھڑانے کے لیے زور لگانے لگا۔ لیکن وہ گرفت کسی عام آدمی کی تو تھی نہیں۔ چھوٹ نہ سکی، اس دوران خان رحمان اور باقی ساتھی نقلی پٹ گاف کو گھیرے میں لے چکے تھے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب بعد میں بتائیں گے۔ پہلے ذرا ہم اپنا کام کر لیں۔" یہ کہہ کر محمود نے اس کے سینے پر سر کی ایک زوردار ٹکر دے ماری۔ وہ الٹ گیا اور ساتھ ہی خان رحمان نے جھک کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ جلد ہی دونوں ساکت ہو گئے۔

"مسٹر پٹ گاف۔ یہ تو گئے کام سے۔ اب ہم آپ سے ملاقات کرنے آ رہے ہیں۔ اگر نہیں روک سکتے ہیں تو روک لیں۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے بغلی دروازے کا رخ کیا۔ اور پھر رک کر رہ گئے۔ دروازہ بند تھا۔ انھوں نے زور لگا کر دیکھا، پھر پیچھے ہٹ کر ایک ٹکر دے ماری۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹے اور پوری قوت سے ٹکر دے ماری۔ اس بار دروازہ چرچرایا۔ اس کے چرچرانے کی آواز سن کر انھوں نے دل ہی دل میں خوشی کی لہر محسوس کی۔ اتنا انھیں یقین ہو چلا تھا کہ پٹ گاف ہے اسی کمرے میں۔ ان پر ایک جنون سا طاری ہو گیا۔ لگے ٹکر پر ٹکر مارنے۔

"جمشید۔ کیا کر رہے ہو۔ ہٹو۔ کچھ ٹکریں مجھے بھی مارنے دو، کہیں چوٹ نہ کھا بیٹھو۔"

"نہیں خان رحمان۔ تم اس دروازے کو نہیں توڑ سکو گے۔ یہ کوئی عام دروازہ نہیں ہے۔"

"ارے۔ یہ کیا۔" فرزانہ کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔ ان کی نظریں فرزانہ کی نظروں کے تعاقب میں انسپکٹر جمشید کے کندھے کی طرف اٹھ گئیں۔ کندھے کے پاس سے قمیض خون سے سرخ ہو چکی تھی۔

"یہ کیا۔ آپ کا کندھا تو زخمی ہو گیا ہے۔"

"ہونے دو۔" وہ بولے اور پھر ٹکر ماری۔

"نہیں جمشید - اب میں کوشش کروں گا۔"

"خان رحمان - تم چوٹ کھا لو گے۔"

"اور تم - تم نہیں کھا چکے ہو کیا - خان رحمان جھلا کر بولے اور پھر دوڑ کر ان کے راستے میں آ گئے - یہی نہیں - آگے بڑھ کر ایک زوردار ٹکر دروازے کو دے ماری - دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی - اور پھر ان کے کندھے سے بھی خون نکل آیا -

مزا آ گیا

"میں نے کہا تھا نا خان رحمان - تم ٹکر نہ مارنا - یہ دروازے عام دروازے نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے دکھ بھری آواز میں کہا -

"لیکن میں کیا کرتا جمشید - تمہارا خون آلود کندھا دیکھ کر میں رہ نہ سکا۔"

"بس اب ایک طرف ہٹ جاؤ - میں اس دروازے کو خود ہی دیکھ لوں گا۔"

"کیوں نہ ہم بھی ایک کوشش کر دیکھیں۔" محمود بولا -

"نہیں - میں نہیں چاہتا کہ تم تینوں بھی بے کار ہو جاؤ۔" یہ کہ کر انھوں نے پھر کندھا دروازے سے ٹکرا دیا - لیکن اس مرتبہ بایاں کندھا آزمایا تھا - جلد ہی ان کا یہ کندھا بھی زخمی ہو گیا اور وہ گھبرا گئے - اسی وقت انھوں نے بہت سے سائرن سنے - گویا خطرے کے الارم بجا

دیے گئے تھے۔

"اب شاید ہم بگھر جائیں گے۔"

"پروا نہ کرو۔ اگر یہ دروازہ ٹوٹ گیا تو پھر فتح ہماری ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اور پھر ٹکر پر ٹکر مارنے لگے۔

اچانک دروازہ ٹوٹ گیا اور انسپکٹر جمشید اندر جا گرے۔ اس وقت تک ان کے دونوں کندھے لہو لہان ہو چکے تھے۔

وہ جلدی سے اندر داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید اُٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ہاتھ اوپر اُٹھا دو دوستو۔" ایک سرد آواز نے انھیں جھنجوڑ ڈالا۔

وہ چونک اُٹھے۔ اس وقت انھوں نے ایک عجیب انسان کو بستر میں لیٹے دیکھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا عجیب قسم کا پستول تھا۔ اس کا رُخ ان کی طرف تھا۔ اس انسان کا چہرہ حد درجے خوف ناک تھا۔ ناک کی جگہ صرف دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔ اوپر والا ہونٹ ان سوراخوں سے ملا ہوا تھا اور نیچے والا ہونٹ ٹھوڑی کو جا لگا تھا۔ اس طرح اس کے دانت اور مسوڑھے صاف نظر آ رہے تھے، آنکھیں بالکل ننھی ننھی سی تھیں؛ تاہم ان میں زبردست چمک تھی۔

انسپکٹر جمشید اُٹھ کر کھڑے ہوئے، لیکن پھر گر گئے، شاید ان میں سکت نہیں رہ گئی تھی۔

"تم لوگوں کا کھیل ختم ہو چلا ہے۔ ابھی قانون کے محافظ یہاں پہنچ جائیں گے اور تم ان کے قبضے میں ہو گے۔"

"اس پستول سے بھی بچ کر رہنا۔ یہ عام پستول نہیں ہے، اس میں سے گیس کی ایک دھار نکلتی ہے۔ جو آن کی آن میں انسان کو بے ہوش کر دیتی ہے۔ گویا اس میں سے گولی نہیں نکلے گی۔ جس سے تم خود کو بچا سکو۔ گیس فوری طور پر پورے کمرے میں پھیل جائے گی۔"

"تب تو مسٹر پٹ گاف۔ تم خود بھی بے ہوش ہو جاؤ گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ یہ گیس مجھ پر اثر انداز نہیں ہو گی۔ کیوں کہ توڑ پہلے ہی کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن پھر۔ آپ ٹریگر دبا کیوں نہیں دیتے؟" محمود نے چونک کر پوچھا۔

"اس لیے کہ ابھی ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی۔ تو پھر میں ضرور ٹریگر دباؤں گا۔"

"اس صورت میں، ہمیں گرفتار کرنے کے لیے آنے والے بھی گیس کا شکار ہو جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! لیکن کب تک۔ اور آ جائیں گے اور وہ تمھیں لے جائیں گے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ ہم تجربہ ضرور کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب۔ تجربہ ضرور کریں گے۔" وہ چونکا۔

"ہاں! آپ ٹریگر دبا دیں۔"

"دبا دوں۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں۔ دبا دیں۔" انھوں نے کہا اور پٹ گاف کی طرف چھلانگ لگا دی۔

ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ پستول میں سے واقعی گیس کی ایک دھار نکلی، لیکن انسپکٹر جمشید اس دھار کے حصار سے پہلے ہی دور ہو چکے تھے۔ دھار پہلے تو باریک لکیر کی شکل میں محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کی طرف گئی اور پھر پورے کمرے میں پھیلنا شروع ہوئی، وہ چاروں تو فوراً گر گئے۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید پٹ گاف تک پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے گیس پستول اس

کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اس کا ایک بازو پکڑ کر مروڑ دیا:

"اب اندر آنے والوں کو اندر نہ آنے دینا۔ ورنہ میں تمھارا یہ بازو توڑ دوں گا۔"

"کب تک۔ گیس تم تک پہنچا ہی چاہتی ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"نہیں۔ یہ گیس ابھی ایک منٹ تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اور کمرے سے باہر کی طرف بھاگے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ پھلانگ گئے اور برامدے میں آ گئے۔ برامدے میں دوسری طرف سے محافظ بھاگے آ رہے تھے:

"لو۔ اب انھیں رکنے کا حکم دو۔" انسپکٹر جمشید نے اس کا بازو اور بھی مروڑتے ہوئے کہا۔

"رک جاؤ۔ وہیں رک جاؤ۔" پٹ گاف چلایا۔

وہ ٹھٹک کر رک گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے پٹ گاف کو دیکھنے لگے۔

"آپ۔ آپ کون ہیں؟" ان میں سے ایک نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

"عقل کے اندھو – میں پٹ گاف ہوں – تم بہت دیر سے
پہنچے – انسپکٹر جمشید نے مجھ پر قابو پا لیا ہے – اور اگر تم
آگے بڑھے تو یہ میرا بازو توڑ دے گا۔"

"وہ – آپ پٹ گاف ہیں۔"

"ہاں! تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا، لیکن میری آواز تو
کئی بار سن چکے ہو۔" وہ چلایا۔

"ہاں! آپ کی آواز تو بالکل وہی ہے۔" ایک نے کہا۔

"میں بھی بالکل وہی ہوں۔" وہ بولا۔

"پھر – ہمارے لیے کیا حکم ہے سر؟"

"حکم اب میرا چلے گا – اندر میرے چار ساتھی بے ہوش
پڑے ہیں – ان کو اٹھا لاؤ۔"

انھوں نے سوالیہ انداز میں پٹ گاف کی طرف دیکھا –
جیسے پوچھ رہے ہوں – عمل کریں یا نہیں۔

"اگر – یہ اندر گئے تت – تو –" پٹ گاف ہکلایا – ساتھ
ہی انسپکٹر جمشید نے اس کے بازو پر اور زور صرف کر ڈالا –
وہ چلا اٹھا:

"اندر جاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اٹھا لاؤ۔"

فوراً انھوں نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی – ایک منٹ
گزر گیا – ان میں سے ایک بھی واپس نہ آیا –

"شاید سب کے سب بے ہوش ہو گئے – اس گیس کا اثر
نی دیر رہے گا؟"

"دس منٹ۔" اس نے کہا۔

"گویا ہمیں دس منٹ تک یہیں ٹھہرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید
لے۔

"لیکن دس منٹ میں تو میری حالت پتلی ہو جائے گی۔"
ٹ گاف گھبرا گیا۔

"تب پھر – اس کا کیا علاج ہے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"گیس کا توڑ –" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں اندر جا کر گیس کا اثر زائل کر دیتا ہوں۔" اس
ے کہا۔

"لیکن اس طرح تو میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔" انسپکٹر
شید مسکرائے۔

اور وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"اب اس کے سوا کوئی راستا نہیں کہ ہم دس منٹ
ک انتظار کریں۔"

"اچھا!" اس کے منہ سے نکلا، پھر چند سیکنڈ بعد اس
نے کہا:

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"یہ اس عمارت سے نکل کر بتاؤں گا۔" انھوں نے کہا۔

اب انسپکٹر جمشید نے اس کا جائزہ لیا۔ نہایت پتلا دبلا اور بدصورت ترین انسان تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں بالکل سوکھ چکی تھیں۔ ہڈیوں پر صرف کھال چپکی ہوئی تھی:

"تم ان ٹانگوں کا علاج نہیں کروا سکتے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"دنیا بھر کے ماہرین آزما چکا ہوں۔"

"ایک ماہر کا پتا میں بھی بتا سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ارے۔ کیا واقعی۔" وہ چونکا۔

"ہاں بالکل، لیکن تم اس سے علاج کراؤ گے نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"تب پھر تمھیں ہمارے ملک چلنا ہوگا۔ وہاں روحانی علاج کے ایک بہت بڑے ماہر رہتے ہیں۔"

"میں روحانی مریض نہیں ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

"ماہرین کا کہنا ہے کہ ہر بیماری پہلے روحانی بیماری سے شروع ہوتی ہے۔"

"اوہو۔ اچھا۔"

"ہاں! آزمائش شرط ہے۔ کیا خیال ہے۔ چلنا ہے ہمارے ملک۔"

"اوہ سمجھ گیا۔ تم مجھے قیدی بنانا چاہتے ہو۔" اس نے چونک کر کہا۔

"قیدی بھی بناؤں گا، لیکن علاج بھی ساتھ کراؤں گا۔"

"نہیں۔ مجھے صحت کے ساتھ قید کی لعنت نہیں چاہیے، اس کی نسبت میں مر جانا پسند کروں گا۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

آخر دس منٹ پورے ہو گئے۔

"کیا خیال ہے۔ اب چلیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! چلنا ہی ہوگا۔"

وہ اندر داخل ہوئے اور پٹ گاف والے کمرے میں آئے۔ وہاں اس کے تمام ماتحت بھی بے ہوش پڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے پٹ گاف کا بازو پکڑے پکڑے اپنے ساتھیوں کو ہلایا جلایا۔ تو انھوں نے آنکھیں کھول دیں:

"اٹھو بھئی۔ جلدی کرو۔ ورنہ اس کے یہ تمام ساتھی ہوش میں آ جائیں گے اور مجھے پھر ٹریگر دبانا پڑے گا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب وہ باہر کی طرف چلے۔

لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچے اور پھر وین میں آ کر بیٹھ گئے۔
پٹ گاف کو انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے قبضے میں
دیا اور خود سٹیرنگ سنبھال لیا۔ وہاں سے وہ سیدھے
چار سو بیس والی عمارت میں پہنچے۔ تمام دروازے انھوں
نے بند کر دیے۔ اب انسپکٹر جمشید نے پٹ گاف کی
طرف دیکھا اور بولے:

"مسٹر پٹ گاف۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا
ہوں۔ کہ تمھاری حکومت کا انشاربہ کی حکومت پر کیا دباؤ
ہے؟"

"اوہ سمجھا۔ تو تم یہ معلوم کرنے آئے ہو۔"

"نہ صرف یہ معلوم کرنے آئے ہیں۔ بلکہ اس دباؤ کا توڑ
بھی کر کے جائیں گے۔ تاکہ انشاربہ تم لوگوں کو مدد نہ
دے سکے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔

"جلدی بولو۔ ورنہ دونوں بازو توڑ دیے جائیں گے۔"
انھوں نے کہا، ساتھ ہی خان رحمان نے بازوؤں پر اور
زور لگایا۔

"ایک شرط پر بتا سکتا ہوں۔" اس نے سوچ کر کہا۔

"ہم کوئی شرط سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"تو پھر میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ توڑ دو میرے بازو۔"
اس نے بھنا کر کہا۔

انھوں نے سوالیہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا
اور پھر بولے:

"خیر۔ شرط بتاؤ۔"

"روحانی علاج کے ماہر کو یہاں بلا دو۔"

اور وہ مسکرا دیے۔

"وہ کہیں آتے جاتے نہیں۔ خود تمھیں ہمارے ملک جانا
پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"خیر۔ خان رحمان۔ پہلے اس کا ایک بازو توڑ دو۔" انسپکٹر
جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

خان رحمان نے زور لگانا شروع کیا۔ وہ چلّا اٹھا:

"ارے ارے۔ ٹھہرو۔ بتاتا ہوں۔"

خان رحمان نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ اس نے سکون کا
سانس لیا اور پھر بولا:

"نہیں بتاتا۔"

"خان رحمان۔"

"ہاں۔ ہاں۔ توڑ دو۔" اس نے بلند آواز میں کہا

خان رحمان نے بازو پر پھر زور لگایا اور حیرت زدہ رہ گئے۔

انھوں نے کانپ کر کہا:

"جمشید۔ بازو نہیں ٹوٹ رہا۔"

"کیا مطلب ۔ نہیں ٹوٹ رہا۔"

"ہاں ۔ بازو بالکل نرم ہو گیا ہے اور مُڑتا جا رہا ہے۔"

"یہ ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وُہ بولے۔

"پپ ۔ پتا نہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"مَیں بتاتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" پٹ گاف نے ہنس کر کہا۔

"خیر ۔ تم ہی بتا دو۔"

"میں اپنی ہڈیوں کو موڑنے کی مشق کرتا رہا ہوں۔" وُہ بولا۔

"تب پھر ۔ پہلے کیوں بازو کی ہڈی ٹوٹنے لگی تھی؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"پہلے مَیں لطف لے رہا تھا ۔ دِل ہی دِل میں ہنس رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"نہیں ۔ یہ غلط ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا غلط ہے؟"

"یہ بات کہ پہلے بھی بازو کی ہڈی مُڑنے کے قابل تھی، ں نے خود تمھارے بازو کو مروڑا تھا اور تم تکلیف کی ر سے میری ہدایات ماننے پر تیار ہو گئے تھے ۔ لہٰذا م جھوٹ بول رہے ہو اور سچ یہ ہے کہ تم نے کوئی گولی ول استعمال کر لی ہے ۔ ہم لوگوں سے چھپا کر ۔ بس اس گولی ے اثر کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی تے چلے گئے۔

"چلو ۔ یہی سہی۔" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"خان رحمان ۔ تم اس کی گردن پکڑ کر دبانا شروع کر دو ۔ دیکھیں، اس گولی کا اثر گردن پر کیا اثر دکھاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا۔" خان رحمان نے کہا اور یک دم اسے گردن سے دبوچ لیا۔

"ارے ارے ۔ یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اوہ ۔ ابا جان ۔ یہ حضرت دراصل وقت گزار رہے ہیں۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"ہوں! خان رحمان - ہمیں اس عمارت سے نکل جانا چاہیے
ہم نے یہاں آ کر غلطی کی - شاید بہت جلد یہاں اس کے
ساتھی آنے والے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور پھر وہ افراتفری کے عالم میں عمارت سے نکل کر
وین میں بیٹھ گئے - جوں ہی وین نے موڑ کاٹا - دوسری
طرف سے پولیس کی بے شمار گاڑیاں آتی نظر آئیں - اور
پھر وہ اس موڑ پر مڑ گئیں - جس طرف سے وہ آئے تھے۔
خان رحمان پٹ گاف کا منہ دبائے بیٹھے تھے - ایسے میں محمود
بول اٹھا:

"بال بال بچے۔"

"ہاں! یہ تو ہے - لیکن اب ہم کہاں جائیں - کیوں غازی؟"

"مم - میرے گھر۔" غازی نے فوراً کہا۔

"اوہ ہاں - یہ ٹھیک رہے گا۔" انسپکٹر جمشید نے بھی فوراً
کہا، پھر بولے:

"آپ کبھی ان لوگوں کی نظروں میں تو نہیں آئے؟"

"ابھی تک تو نہیں۔"

غازی نے انھیں راستا بتایا اور وہ اس کے گھر پہنچ گئے۔
وین کو قدرے فاصلے پر روک دیا گیا - اب وہ گھر کے

دروازے کی طرف بڑھے:

"آپ اکیلے ہی رہتے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! دشمن ملک میں جاسوسی کے فرائض انجام دینے والے
اپنے بیوی بچوں کو ساتھ نہیں رکھا کرتے۔" اس نے سرد آہ
بھری۔

"تو آپ کے بیوی بچے بھی ہیں؟"

"ہاں - وہ وطن میں ہی رہتے ہیں۔"

"اور آپ کا انتظار کرتے رہتے ہوں گے۔"

"ہاں! لیکن - ہمیں ان سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی،
اگر ہم ان سے ملنے کے لیے جائیں، پھر آئیں تو معاملہ خفیہ
نہیں رہتا۔"

"لیکن کب تک - آپ ان سے کب تک جدا رہیں گے؟"

"یہ ڈیوٹی صرف تین سال تک ہے - اس کے بعد پھر مجھے
فارغ کر دیا جائے گا اور زندگی بھر کام کے بغیر تنخواہ دی
جائے گی۔"

"اوہ - تب تو ٹھیک ہے۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

گھر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا - غازی نے تالے
کے سوراخ میں چابی گھمائی اور پھر دروازہ دھکیل کر اندر
داخل ہو گیا - اس کے ساتھ ہی وہ بھی اندر داخل ہوئے۔

لیکن دوسرے ہی لمحے ٹھٹک کر رہ گئے۔ کئی رائفلیں ان کی
طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ رائفل بردار پہلے دیوار کے ساتھ لگے
کھڑے تھے۔ ان کے اندر داخل ہونے پر سامنے آ گئے اور
دروازہ بند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی انھوں نے پٹ گاف کی
چہکتی آواز سنی:

"بہت خوب۔ مزا آ گیا۔"

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

آخری سلام

ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے، پھر
ان کی نظریں غازی کی طرف گھوم گئیں:

"انکل۔ آپ تو کہ رہے تھے۔ آپ ان کی نظروں میں
نہیں آئے ہوئے۔"

"ہاں! میرا خیال یہی تھا۔ لیکن غلط ثابت ہو گیا —
افسوس!" اس نے سرد آہ بھری۔

"ان لوگوں کو گولیاں مار دو۔" پٹ گاف نے سرد آواز
میں حکم دیا۔

"ایک منٹ مسٹر پٹ گاف۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"کیوں۔ موت کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئے۔"

"یہ بات نہیں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"اب جب کہ تم ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے والے

ہو۔ ہمیں کم از کم یہ تو بتا دو۔ کہ تم لوگوں کا انشارجہ کی
حکومت پر کیا دباؤ ہے۔"

"ہاں! ان حالات میں بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے،
لیکن تمہیں اس کا کیا فائدہ ہو گا۔"

"فائدہ کیا ہوگا۔ بس مرتے وقت ہم کوئی اُلجھن ساتھ
نہیں لے جائیں گے۔"

"ہاں ۔ ورنہ قبروں میں بھی یہ سوچتے رہو گے کہ انشارجہ
پر کیا دباؤ تھا۔ ہمارا" پٹ گاف ہنسا۔

"بالکل ٹھیک۔"

"خیر۔ سنو۔ انشارجہ کے تین اہم آدمی اس وقت ہمارے
قبضے میں ہیں۔ تینوں ایک اور ملک کے دورے پر گئے ہوئے
تھے ۔ واپسی کے سفر میں میرے آدمیوں نے ان کے جہاز
کو اغوا کر لیا۔ لیکن نہ تو انشارجہ نے اس خبر کو پھیلنے
دیا اور نہ ہم نے ۔ انشارجہ کی ساری ساکھ مٹی میں مل
جاتی اور ہم وہ فائدہ حاصل نہ کر پاتے ۔ یعنی اسلحہ۔ جہاز
کو اغوا کرنے کے بعد ہم نے انشارجہ کی حکومت سے بات
کی ۔ ان تینوں نے فون پر اپنی حکومت کو بتایا کہ وہ
واقعی ہمارے قبضے میں ہیں اور کسی وقت بھی انہیں موت
کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ بات کہ وہ تینوں

بہت اہم عہدوں پر مقرر ہیں، دوسری بات یہ کہ انشارجہ کے
بہترین دماغوں میں سے ہیں اور تیسری بات یہ کہ انشارجہ
کے صدر سے ان میں سے ایک کے قریبی تعلقات ہیں ۔
بلکہ رشتے داری ہے ۔ لہٰذا جب ہم نے انشارجہ کے صدر
کو یہ اطلاع دی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل
گئی ۔ اس نے پوچھا کہ ان تین آدمیوں کے بدلے میں
ہم کیا چاہتے ہیں ۔ جواب میں ہم نے بتایا کہ ہماری حکومت
جنگ کی وجہ سے اسلحے کی مشکل میں گرفتار ہے۔ لہٰذا ہمیں
اسلحہ دیا جائے ۔ ورنہ ان تینوں کو ہلاک کر دیا جائے گا۔"
یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"پھر۔ اس کے بعد؟"

"اس کے بعد کیا ۔ انشارجہ اب دھڑا دھڑ ہمیں اسلحہ
دے رہا ہے۔"

"اور اس کے تینوں آدمی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ ابھی تک ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"اور تم نے ان سے کیا وعدہ کیا ہے؟"

"یہ کہ جب تک یہ جنگ جاری ہے۔ وہ ہمیں اسلحہ
دیتے رہیں ۔ جنگ کے خاتمے پر ان کے تینوں آدمیوں کو
باعزت طور پر رہا کر دیا جائے گا۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔ خیر۔ وہ تینوں آدمی اب کہاں ہیں؟"

"ایک خاص جیل میں۔ خفیہ جیل بھی کہہ سکتے ہیں اسے۔ میری اجازت کے بغیر وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"شکریہ۔ اب مہربانی فرما کر اس جیل والوں کو فون کرو اور انھیں ہدایات دو کہ ان تینوں قیدیوں کو لے کر یہاں پہنچ جائیں۔"

"کیا مطلب۔ دماغ تو نہیں اُلٹ گیا۔ میں کیوں فون کروں۔" اس نے جل کر کہا۔

"یہ کام تو کرنا ہی ہوگا۔"

"تم دُوسری دُنیا کا رُخ کرو۔ اس بارے میں کیا خیال ہے۔"

"ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ فائرنگ شروع کر دو۔" اس نے ایک دم غرا کر کہا۔

ان کی رائفلوں سے یک دم گولیاں نکلیں، لیکن وہ اس سے ایک لمحہ پہلے لوٹ لگا چکے تھے۔ دُوسرے ہی لمحے وہ رائفلوں والوں سے ٹکرا گئے۔ محمود کا ایک پیر ایک رائفل والے کے منہ پر زور سے لگا۔ وہ دُوسری طرف اُلٹ گیا۔

محمود نے فوراً اس کی رائفل نال کی طرف سے پکڑ لی۔ اور رائفل کا بٹ اس کے سر پر دے مارا۔ دُوسری طرف فاروق نے لوٹ لگاتے ہوئے ایک دُشمن کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ اور پھر اس کے گرتے ہی اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر رسید کر دی۔ پھر اس کی رائفل جھپٹ لی۔ فرزانہ نے لوٹ لگانے کے فوراً بعد ایک قلابازی کھائی اور اس کے دونوں پیر ایک دُشمن کے سینے پر جا لگے۔ وہ دُوسری طرف اُلٹ گیا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جسے نہایت پھرتی سے فرزانہ نے اُٹھا لیا۔ غازی بھی ان سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ ادھر خان رحمان ایک دُشمن کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر پٹخ چکے تھے۔ انسپکٹر جمشید اس وقت تک چار دُشمنوں کو اُٹھا کر دیوار سے مار چکے تھے۔ اور اب رائفل کو نال کی طرف سے پکڑ کر اس کے بٹ سے ان کی مرمت میں مصروف تھے۔ پٹ گاف پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بہت ہاتھ پیر چلائے، لیکن ان کی پیش نہ گئی۔ اور آخرکار وہ سب لمبے لیٹ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً پٹ گاف کی طرف بڑھے اور رائفل کی نال اس کے عین دل پر رکھتے ہوئے بولے:

"لو پٹ گاف۔ تم بھی جاؤ۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ٹھہرو۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"ٹھہرنے کی ایک ہی شرط ہے۔ اور وہ یہ کہ ان تینوں اہم آدمیوں کو یہاں بلا لو۔ تمھارے صرف تین آدمی ان کو لے کر یہاں آئیں اور اندر داخل کر کے باہر سے ہی لوٹ جائیں۔"

"اور اس کے بعد؟" پٹ گاف نے فوراً پوچھا۔

"اس کے بعد جو کچھ ہو گا یا کیا جائے گا۔ ہمیں نہیں معلوم۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ میں ابھی فون کرتا ہوں۔" پٹ گاف نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔

"لیکن ایک خیال رہے۔ ان کے ساتھ مزید پولیس کو نہ بلائیں۔ ورنہ حشر ان کا بھی یہی ہو گا۔ اور پھر تمھارے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ فکر نہ کریں۔ میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گا، لیکن میری ایک شرط اور ہے۔"

"چلو۔ وہ بھی بیان کرو۔"

"تم اپنے ساتھ مجھے بھی لے جاؤ۔ اور وہاں میرا روحانی علاج کراؤ۔ میں اپنے ملک آنے کے لیے نہیں کہوں گا۔ وہیں ایک عام انسان کی زندگی گزار لوں گا۔"

"ایسا بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر آپ مسلمان ہو جائیں۔ ایک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو سارے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس پر بھی غور کروں گا۔ اسلام کی تعلیم پر وہاں رہ کر تحقیق کروں گا۔ اگر یہ مجھے سچا دین محسوس ہوا تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔"

"بہت خوب۔ تو پھر۔ اب آپ ان تینوں کو یہاں بلا لیں، لیکن اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر۔" انسپکٹر جمشید نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔"

فون اس کے قریب کر دیا گیا۔ اس نے نمبر ملائے اور پھر ان تینوں قیدیوں کے بارے میں ہدایات دیں۔ آدھ گھنٹے کے بعد ایک گاڑی اس گھر کے دروازے پر آ کر رکی۔ اور پھر گھنٹی بجائی گئی۔ ہدایات کے مطابق پٹ گاف خود دروازے پر گیا۔ اور دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ فوراً ہی اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ ان تینوں کو اندر آنے دو اور تم جاؤ۔"

"او کے سر۔"

انھوں نے باہر ایڑیاں بجنے کی آواز سنی۔ دوسرے ہی لمحے تین آدمی اندر آ گئے۔

"آپ کا تعلق انشارجہ کی حکومت سے ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! یہ سب کیا ہے۔" ایک نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ابھی بتاتے ہیں۔ کیا آپ کو قید میں رکھا گیا تھا اور آپ سے فون پر یہ کہلوایا گیا تھا۔ کہ آپ کو قید کر لیا گیا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور یہ بھی کہ آپ کے جہاز کو اغوا کیا گیا تھا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن معاملہ کیا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔ آپ ان صاحب کو پہچانتے ہیں؟"

اُنھوں نے پٹ گاف کی طرف دیکھا۔

"اُف کس قدر خوفناک آدمی ہے۔ ہم اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں۔"

"کبھی پٹ گاف کا نام سُنا ہے؟"

"ہاں کیوں۔" ان میں سے ایک نے جلدی سے کہا۔

"یہ مسٹر پٹ گاف ہیں۔"

"ارے۔ نہیں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔ لیکن اب یہ آپ لوگوں کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

"یہ۔ یہ ہم کیا سُن رہے ہیں۔ بھلا یہ لوگ ہمیں کیوں چھوڑنے لگے۔"

"ہم نے انھیں مجبور کر دیا ہے۔ جس طرح آپ کو انھوں نے قیدی بنایا تھا۔ ہم نے اسی طرح انھیں قیدی بنا لیا ہے۔ اور اب ہم سب یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔"

"کک۔ کیا واقعی۔" وہ حیران رہ گئے۔

"ہاں! اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اگر کسی کو اس سارے چکر کی ہوا لگ گئی تو معاملہ نازک ہو جائے گا۔"

وہ گھر سے باہر نکل کر وین میں بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ باقی لوگوں کو پیچھے بٹھا دیا گیا۔ غازی کو انھوں نے اپنے ساتھ بٹھایا، تاکہ وہ راستا بتاتا رہے۔ ابھی صرف پندرہ منٹ ہی چلے ہوں گے کہ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"میرا خیال ہے۔ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیوں مسٹر پٹ گاف۔ کیا آپ کوئی چال چل چکے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ اور میں اس کا ثبوت فراہم کر سکتا ہوں۔"

"ثبوت۔ کیا مطلب؟"

"گاڑی کو کسی ویرانے میں لے چلیں۔ وہاں میں تعاقب کرنے والوں کو اپنے ہاتھوں سے گولیاں مار دوں گا۔"

"شاید یہ کام بھی اب آسان نہ ہو۔ ہمیں ہر طرف سے گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ نہایت خاموشی سے پہلے گھیرا تنگ کیا جائے گا اور پھر راستا روک لیا جائے گا، اس وقت ہم فرار نہیں ہو سکیں گے۔ وقت اگر ہے تو اب۔" غازی نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا مطلب۔"

"جوں ہی کوئی گلی آئے۔ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی اس گلی میں موڑ دیجیے۔"

"کیوں۔ کیا اس گلی سے نکلنے والی سڑک پر ان کی ناکہ بندی نہیں ہو گی۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ بس ہم اگر کوئی

کوشش کر سکتے ہیں تو یہ۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ بھی سہی" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر انہیں ایک گلی کے آثار نظر آئے۔ انھوں نے وین کو آہستہ نہیں کیا۔ پوری رفتار پر ہی موڑ کاٹ گئے، گاڑی اُلٹتے اُلٹتے بچی۔ اور پھر گولی کی طرح آگے بڑھی، اسی وقت سڑک پر بہت سی گاڑیوں کے بریک چرچرانے کی آوازیں انھوں نے سنیں۔

لیکن پیچھے مڑ کر دیکھنے کی مہلت کسے تھی۔ وہ نکلتے چلے گئے۔

"اب وہ سڑک پر ہمارا راستا روکنے کی کوشش کریں گے۔" غازی چلایا۔

"تو پھر۔ کیا کیا جائے؟"

"سڑک کی بجائے۔ گاڑی گلیوں ہی گلیوں میں مڑتی رہے۔ اور پھر کسی جگہ ہم اس گاڑی کو چھوڑ دیں۔ کوئی اور گاڑی پکڑ لیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ترکیب اچھی ہے۔"

انھوں نے اس ترکیب پر عمل کیا۔ گلیوں میں آگے بڑھتے رہے۔ ایک گلی میں ایک ٹرک کھڑا نظر آیا۔ انھوں نے وین روک دی اور فوراً ٹرک پر سوار ہو گئے۔

اسی وقت ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی ٹرک
کی طرف بڑھا، لیکن اپنے ٹرک پر دوسروں کو سوار
دیکھ کر بھونچکا رہ گیا:

"یہ کیا - یہ ٹرک تو میرا ہے۔" اس نے چلا کر کہا۔

"تو آپ بھی آجائیے - ہم نے آپ کو روکا ہے؟"
فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟"

"میں بتاتا ہوں مطلب۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے نیچے
چھلانگ لگائی اور اسے اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیا، ساتھ
ہی بولے:

"خان رحمان اسے مطلب بتاؤ۔"

"بہت بہتر!"

اور ٹرک چل پڑا - اب پھر غازی راستا بتا رہا تھا،
جلد ہی وہ ساحلِ سمندر پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں
لانچ سے اترے تھے -

غازی نے جیب سے پستول نکال کر تین فائر کیے -

"یہ - یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ٹرک ڈرائیور نے بوکھلا
کر کہا -

"اوہ ہاں! اس بے چارے کو ٹرک لے کر جانے دو۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ابھی نہیں جمشید - پہلے ہم یہاں سے رخصت ہو لیں۔"
خان رحمان بولے۔

اور پھر لانچ ساحل سے آ لگی - وہ جلدی جلدی اس
میں سوار ہو گئے -

ٹرک ڈرائیور کھڑا رہ گیا -

"مسٹر ڈرائیور - ہمیں افسوس ہے - ہم آپ کو ساتھ نہیں
لے جا سکتے - اور ساتھ آپ جانا چاہیں گے بھی نہیں۔"

"لیکن یہ سب ہے کیا؟" اس نے چیخ کر کہا۔

"ابھی کچھ لوگ ساحل پر آنے ہی والے ہیں - وہ
آپ کو بتائیں گے کہ یہ سب کیا ہے - یا پھر کل کے
اخبارات میں کچھ تفصیل آ جائے گی - لیکن اخبارات اصل
بات نہیں بتائیں گے - اور ہمارے پاس بتانے کا وقت
نہیں ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

عین اسی وقت انھوں نے بیسیوں گاڑیاں ساحل پر
رکتے دیکھیں - اور پھر ان میں سے پولیس والے چھلانگیں
لگا لگا کر اترنے لگے - ساتھ ہی پوزیشن لینے لگے -
جلد ہی گولیوں کی تڑا تڑ شروع ہو گئی، لیکن وہ اس
سے پہلے ہی لانچ میں لیٹ چکے تھے - گولیاں ان

کے اُوپر سے گزر گئیں ۔ اب پولیس والوں نے پانی میں
چھلانگیں لگا دیں اور لگے ان کی طرف تیرنے ، لیکن لانچ کا
اور ان کا کیا مقابلہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد وُہ بہت دُور نکل چکے تھے ۔ اور خود کو ہلکا پھلکا
محسوس کر رہے تھے ۔

" انکل غازی ۔ اب کیا خیال ہے ؟"

" کس بارے میں ؟"

" آپ کے تین سال پورے ہونے میں کتنے دن باقی
تھے ؟"

" ابھی پورے دو سال باقی ہیں ۔"

" لیکن اب آپ اس مُلک میں جاسوسی کے فرائض سرانجام
نہیں دے سکتے ۔ گویا اپنے گھر جا رہے ہیں ۔ کیا آپ کو خوشی
محسوس نہیں ہو رہی ۔"

" ہونی تو چاہیے ۔ میں خیالات کے ذریعے اپنے
بیوی بچوں کو دیکھ رہا ہوں ۔ ان کے تو وہم و گمان
میں بھی نہیں ہو گا ۔ کہ ۔ میں آ رہا ہوں ۔ وُہ تو ابھی
دو سال گزرنے کے انتظار میں ہوں گے ۔ کہ اچانک
میں دروازے پر دستک دوں گا ۔ میری بیوی دروازہ
کھولے گی اور دھک سے رہ جائے گی ۔ بچے دوڑتے

ہوئے آئیں گے اور مجھ سے لپٹ جائیں گے ۔ اُف ۔ لیکن ۔
آپ کو شاید معلوم نہیں ۔" وُہ یکایک غمگین ہو گیا ۔

" کیا معلوم نہیں ؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا ۔

" مجھے دو سال پورے کرنا ہوں گے ۔"

" کیا مطلب ۔ کیا پھر اِسی مُلک میں آنا پڑے گا ؟"

" نہیں ۔ یہاں تو خیر نہیں ۔ کسی دُوسرے دشمن مُلک
میں ۔"

" خیر ۔ یہ تو ایک مجبوری ہے ۔ لیکن ۔ کچھ دن تو
گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گزارنے کا موقع مل ہی
رہا ہے ۔"

" ہاں ! یہ تو ہے ۔"

" جب کہ آپ کے بھی وہم و گمان میں کچھ گھنٹے پہلے
یہ بات نہیں تھی ۔"

" ہاں !" اس نے کہا ۔

اُسی وقت انھوں نے اپنے سَروں پر طیاروں کی
گھن گرج سُنی ۔

" ارے باپ رے ۔ یہ تو طیاروں سے حملے پر اُتر
آئے ۔ اب کیا ہو گا ؟"

" فکر نہ کریں ۔ ہماری لانچ صرف لانچ ہی نہیں آبدوز

بھی ہے۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے لانچ کا ایک بٹن دبا دیا، شیشے کا ایک کور اوپر اُٹھنے لگا۔ عین اسی وقت گولیوں کی بوچھار لانچ پر ماری گئی۔ اور پھر ایک دل دوز چیخ سُنائی دی۔ اسی وقت کور اوپر تک آگیا اور لانچ پانی میں جانے لگی۔ پھر گولیاں برسائی گئیں۔ اس بار گولیاں لانچ کے کور پر لگیں۔ لیکن وہ بُلٹ پروف تھا۔ اس لیے کچھ نہ ہوا۔

ادھر وہ چیخ والے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور یہ دیکھ کر تھرا اُٹھے کہ گولی غازی کے لگی تھی۔

"انکل۔ غازی۔ آپ۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"گولی دل کے بہت قریب پسلیوں میں لگی ہے۔ مم۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔"

"خان رحمان۔ کچھ کرو۔" انسپکٹر جمشید بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"اچھا۔ ہم ان کی پسلیوں کے گرد کس کر کپڑا باندھ سکتے ہیں۔"

"چلو۔ یہی سہی۔ شاید اس طرح غازی کو کچھ سکون ہو جائے۔" وہ بولے۔

خان رحمان آگے بڑھے، اُسی وقت غازی بولا:

"نہیں دوستو۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہا ہوں، میرے بیوی بچوں کو میرا آخری سلام کہہ دینا۔ ان سے کہنا۔ اب انھیں دو سال تک میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ اکبر۔ لَا اِلٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔"

اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ دشمن بلیارے ابھی تک گولیاں برسا رہے تھے۔ لیکن اب تو وہ پانی کی تہ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔

○

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3